دارالعلوم دیوبند کا
بانی کون؟
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

دارالعلوم دیوبند

کا

بانی کون؟

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

کتاب: دار العلوم دیوبند کا بانی کون ؟
تصنیف: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
تعداد: گیارہ سو
اشاعت: ۱۹۹۹ء
صفحات: ۱۳۶
قیمت: Rs 30 P 00
اہتمام: دانشکدہ، اے بلاک ہمدرد فلیٹس، پل پہلاد پور، نئی دہلی-۴۲- فون: - ۶۸۱۳۱۹۷ - ۰۱۱

ناشر
الدار السنیۃ
۱۹۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی ۸ ۱۱۰۰۰

تقسیم کار
فاروقیہ بکڈپو
۴۲۲/c مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

کتب خانہ امجدیہ
ٹاؤن کلب کے سامنے، پکہ بازار، بستی، یوپی

فہرست

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

دار العلوم دیوبند کا مسلکی مزاج وہی ہونا چاہئے جو اس کے اصل بانی حضرت حاجی عابد حسین علیہ الرحمۃ والرضوان کا تھا۔ (مصنف)

حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ نذر و نیاز اور میلاد و فاتحہ کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ اسکا اہتمام بھی کرتے تھے۔

(تذکرۃ العابدین)

مسلک دیوبند میں نذر و نیاز اور میلاد و فاتحہ بدعت اور ناجائز و حرام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

"قادیان" اور "دیوبند" اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ دونوں اس تحریک کے پیداوار — جسے عرف عام میں "وہابیت" کہا جاتا ہے (علامہ اقبال)

عائشہ علی سے لڑی، اگر توبہ نہ کی ہوگی تو مرتد مری۔ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا۔ ان کو ہر ایک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں۔ ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔

(عبد الحق بنارسی خلیفہ سید احمد رائے بریلوی)

ان دیوبندیوں سے وہ بریلوی اچھے جن کے یہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نام پر توکوئی اختلاف نہیں۔ یہاں تو سوا سو سال میں آج تک یہی مقدمہ حل نہ ہوسکا کہ اس مسلک کا بانی کون تھا۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کے درمیان انصاف نہ کرسکے ان سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے بارے میں عدل کی پالیسی اپنالیں گے۔

(حسن الہاشمی فاضل دار العلوم دیوبند)

مسلک دیوبند چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے پہلے کسی مسلمہ شخصیت سے اس مسلک کا کوئی تعلق نہیں

(مولانا انظر شاہ کشمیری)

ابتدائیہ

چل کے بسمل کی حکایت تو سنو • کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے

دار العلوم دیوبند کے بانی حضرت سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں ایک عرصہ سے یہ روایت علمائے حق کی زبان سے سنتے اور ان کی کتابوں میں پڑھتے چلے آئے ہیں لیکن اس تعلق سے میرے سامنے صرف روایت ہی روایت تھی کوئی ٹھوس دلیل نہیں جس کی وجہ سے میں اپنی بات خود اعتمادی کے ساتھ کسی کے سامنے نہیں بیان کر سکتا تھا۔ اس لئے بات ذہن میں آتی اور چلی جاتی تھی۔ ہمارے ایک رفیق کار نے جب مہاجر مکی حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی اسلامی علوم میں خدمات واثرات کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا تو اس میں انھوں نے اس موضوع کو بھی چھیڑا اور معاصر شواہد کی روشنی میں سیر حاصل بحث فرمائی۔ اس تحقیقی مقالے کو پڑھنے کے بعد جو کچھ میں نے اپنے اکابر سے سنا تھا وہ سچ معلوم ہوا اس لئے بانی دار العلوم کے تعلق سے مزید تفصیل کا اشتیاق دامن گیر ہوا لیکن کثرت کار کی بنیاد پر ان غیر ضروری امور کی طرف سالوں گذر گئے متوجہ نہ ہو سکا۔ اب جب کہ دسمبر ۱۹۹۶ء میں ایک بار پھر دیوبند کی سرزمین سے اس بحث کا آغاز ایک مراسلہ کے ذریعہ ہوا اور وہ حقائق جن کی عرصہ دراز سے مجھے تلاش تھی سامنے آتے گئے تو آتش شوق تیز سے تیز تر ہو گیا۔ پھر سوچا کہ دار العلوم دیوبند کے اصل بانی کے تعلق سے جو میں نے اکابر اہلسنت سے سنا اور پڑھا ہے اسے کیوں نہ مرتب کر کے عوام کی عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ ملت اسلامیہ ایک

بار پھر اپنے اس عظیم محسن کی یاد تازہ کر کے اپنے قلب و نظر کو سکون و قرار بخش لے۔ جس نے ملت اسلامیہ کی اصلاح و تربیت اور انہیں علوم و فنون سے آراستہ کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایک عظیم قلعہ اس وقت بنا کر کھڑا کر دیا جب انگریز مسلمانوں سے علم کا رشتہ توڑنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں رچ رہے تھے اور بھانت بھانت کے منصوبے بنا رہے تھے۔

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے دسمبر ۱۹۹۶ء میں شروع ہونے والی بحث جب طول پکڑ گئی اور مراسلہ کے ذریعہ ہی علمائے دیوبند کے درمیان ایک عرصہ تک نوک جھونک جاری رہی تو میں نے اپنا مرتب کردہ طویل مقالہ قومی آواز دہلی کے ایڈیٹر کو برائے اشاعت اس نیت سے ارسال کر دیا تاکہ ان حقائق کی روشنی میں جلد کسی نتیجے پر پہنچ کر عرصہ سے جاری نوک جھونک کو ختم کیا جا سکے۔ مگر ہوا یہ کہ وہ علمائے دیوبند جو آپس میں لڑ رہے تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بانی ثابت کرنے کے لئے ایک جٹ ہو کر مجھ پر برس پڑے اور مسلک کو ڈھال بنا کر ایک نئی بحث کا آغاز کر دیا۔ ایک طرف حلقۂ دیوبندیت کے معروف وغیر معروف علماء اور دوسری طرف میں تنہا۔ تقریباً ایک ماہ قومی آواز دہلی میں بحث و مباحثہ چلتا رہا۔ اپنے آخری مراسلہ میں جس میں میں نے علمائے دیوبند کے سوالات کا جواب دیا تھا اور کچھ اعتراضات قائم کئے تھے۔ وہ مراسلہ مکمل نہ شائع ہو کر مختصر ہی چھپ سکا۔ اس کے بعد مدیر قومی آواز دہلی نے یہ نوٹ بھی لگا دی کہ اب اس تعلق سے نہ کوئی مراسلہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی مضمون۔ اس طرح دو ماہ تک چلنے والی بحث دفعتہً اختتام پذیر ہو گئی۔

جن لوگوں نے اس بحث کو قومی آواز میں پڑھا یا پڑھنے والوں کی

زبانی سنا ان میں کئی ایک لوگوں نے مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے میری جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ کی پذیرائی کی اور اس مکمل بحث کو شروع سے آخر تک کتابچہ کی شکل میں چھاپنے کا صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کی اشاعت کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔ علمائے حق کی طرف سے شکریئے کے مستحق ہیں تحریک فکر رضا کے ذمہ داران جنھوں نے اس کی اشاعت کا بیڑا اپنے ذمہ لے کر مجھے کئی ایک مشکلات سے بچا لیا۔

اس کتابچہ میں کل پانچ بحثیں شامل ہیں ان تمام مباحث کا تعلق کسی نہ کسی طرح دارالعلوم دیوبند اور اس کے بانی سے ہے۔ قومی آواز دہلی کے صفحات میں علمائے دیوبند سے جو میرا قلمی معرکہ ہوا، بانی دارالعلوم دیوبند اور "معترضین"، کے عنوان سے وہ بحث بھی اس کتاب میں شامل ہے اور یہ اس کتاب کی چوتھی بحث ہے۔ اس کتاب کی آخری بحث "مسلک دیوبند کیا ہے؟" کے عنوان سے ہے یہ مقالہ کسی سنی (بریلوی) عالم کا لکھا ہوا نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ تفسیر حضرت مولانا انظرشاہ کشمیری کا وہی مقالہ ہے جو البلاغ کراچی میں شائع ہوا تھا اس مقالہ کی افادیت کی خاطر یہاں شامل کیا جارہا ہے تاکہ دارالعلوم دیوبند کے نئے فارغین جنھیں دیوبند کا اصل مسلک معلوم نہیں وہ اس مقالہ کے ذریعہ اپنا صحیح مسلک معلوم کرسکیں اور ساتھ ہی سماج میں مسلک دیوبند کے تعلق سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے وہ بھی دور کرسکیں یہ واضح رہے کہ مولانا انظرشاہ کشمیری کا مضمون بغیر کسی حذف واضافہ اور تنقید وتبصرہ کے من وعن شائع کیا گیا ہے۔

جو کچھ اس کتاب میں تحریر ہے وہ مبنی براخلاص ہے۔ بحث ومباحثہ اور مناظرہ بازی کا مجھے قطعاً کوئی شوق نہیں۔ بانی دارالعلوم کے تعلق سے

جس قدر بھی میں نے محنت کی ہے اس کا مقصد وحید صرف اتنا ہے کہ دارالعلوم کے اصل بانی کے تعلق سے جو غلط فہمی عوام وخواص دونوں میں پائی جاتی ہے وہ دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے استدعا ہے کہ وہ میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے تئیں دیوبندی عوام وخواص کے دلوں میں عناد ونفرت کی جو کائی جمی ہے اسے کھرچ کے عقیدت ومحبت کی شمع روشن فرمائے۔ (آمین)

(ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم)
تاریخ: ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء

صدر شعبہ علوم اسلامیہ
ہمدرد یونیورسٹی
ہمدرد نگر۔ نئی دہلی ۶۲

دیوبند
اور
دارالعلوم دیوبند

دیوبند اور دارالعلوم دیوبند

دیوبند مغربی اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کا مشہور قصبہ ہے سنہ ۷۲۶ھ
سنہ ۱۳۶۴ھ میں غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں شاہ ہارون چشتی
نامی ایک بزرگ نے علاقہ سہارنپور میں اقامت اختیار کی انھیں سے
منسوب ہوکر سہارنپور کی آبادی کا آغاز ہوا ابتداً اس آبادی کو شاہ ہارون
پور کہا جاتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے "شاہ ہارون پور" سے
"سہارنپور" ہوگیا۔ اور تا[illegible] تحریر اس شہر کو اسی نام سے شہرت حاصل
ہے "شہر پرزیب" [illegible] نام ہے۔[1]

دیوبند اسی سہارنپ[illegible] یہ قصبہ اپنے ضلع
سہارنپور سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔ اس [illegible] تعلق سے
کئی ایک مستند روایتیں بھی کتب تواریخ میں ملتی ہیں بعض [illegible]
نے دیوبند کو طوفان نوح کے بعد کی ابتدائی بستیوں میں شمار کیا ہے۔[2]
بعض مورخین نے اس کی آبادی بکرماجیت سے قبل کی بتائی ہے۔ اس
قصبہ کا ذکر مارکنڈے پُران میں بھی ملتا ہے مورخین کے ان افکار وخیالات
سے اتنا تو طے ہے کہ یہ قصبہ بہت قدیم ہے مگر اس کی آبادی کا آغاز کب
ہوا اس کی صحیح تاریخ کسی کو معلوم نہیں۔

قصبہ دیوبند میں ایک مشہور قلعہ بھی تھا جس کا ذکر آئین اکبری جلد دوم
ص ۱۴۳ پر ہے۔ یہ قلعہ راجگان ہستناپور کے زمانے کا بتایا جاتا ہے۔ سلطان

---

[1] جغرافیہ ضلع سہارنپور ص ۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۶۸ء مولانا فصیح الدین۔

[2] ذوالفقار علی۔ الھدیۃ السنیہ ص ۱ مطبع مجتبائی دہلی

سکندر شاہ ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء، ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء کے عہد میں حسن خان صوبہ دار نے قدیم عمارت کو مسمار کرا کر از سرِ نو پختہ اینٹوں کا تعمیر کرایا تھا۔ حسن خاں کے نام کی نسبت سے قلعہ کا مقام اب تک "حسن گڑھ" کہلاتا ہے۔

دیوبند کا اصل نام کیا تھا اس سلسلے میں بھی مختلف خیالات ہیں ہر ایک مصنف نے اپنی تحقیق کے مطابق اس نام کے تعلق سے ایک نئی توجیہ کی ہے۔ چنانچہ اس قصبہ کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے درج ذیل اسماء کا ذکر مورخین اپنی کتابوں میں کرتے ہیں "دیوی بلاس، دیوی کنڈ، دیبی بن، دیوبند"۔ تاریخ کی قدیم کتابوں میں آخری دو ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ دیوبند کے تعلق سے بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان پیغمبر نے اس کے قلعے میں دیوؤں کو بند کیا ہے اس واسطے دیوبند نام ہے۔[1] وجہ تسمیہ کا ذکر تھوڑی رد و بدل کے ساتھ میاں اصغر حسین نے جناب شیخ الہند کے مقدمہ میں درج کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں:

"ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں دیوبند کے باشندوں کی فریاد پر آپ کے عمّال نے یہاں آکر ایذا دہندہ جنات کو قید کر دیا اور دیوؤں کا یہ تقید آگے چل کر سبب تسمیہ بن گیا۔ چنانچہ اسی روایت کی بنا پر ایک پرانے بند کنوئیں کو دوبارہ کھولنے کے وقت ایک جن کا نکلنا بھی عوام الناس کی زبان پر رہے۔[2]

بعض مورخین نے دیوبند کا اصل نام دیبی بن قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے: پہلے اس موقع پر جنگل لق و دق تھا ایک مکان معروف دیبی کنڈ اور دوسرا

---

[1] جغرافیہ ضلع سہارنپور ص۱۹۔

[2] تاریخ سہارنپور، منشی نند کشور ص۱۲۰ مطبع مرلی دھر ۱۸۶۸ء

[3] مقدمہ جناب شیخ الہند مصنفہ میاں اصغر حسین ص۵ دارالکتب اصغریہ دیوبند ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء۔

جنگل بلاس اس موقع پر واقع تھے۔ ان دونوں مکانوں کے سبب سے بنام نہاد دیوبند مشہور ہوا۔ پہلے اس مقام کو دیبی بن کہتے تھے۔ کثرت استعمال سے دیوبند ہوگیا۔[۱]

دیوبند کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے اسی قسم کی ایک دوسری توجیہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ملتی ہے۔ اس میں واضح لفظوں میں لکھا ہے:

"یہاں درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان گھرا ہوا کسی دیوی کا ایک مندر ہے جس کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے کہ دیوبند کو دیوی بن (دیوی جنگل) کی بگڑی ہوئی شکل تصور کرنا چاہئے۔"[۲]

قلعہ کے علاوہ دیوبند میں زمانہ ماضی کی اور بھی یادگاریں ایسی ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ چھتہ مسجد کو دیوبند کی قدیم ترین یادگار خیال کیا جاتا ہے روایت ہے کہ شیخ علار الدین المعروف بہ شاہ جنگل باش رحمۃ اللہ علیہ (۶۴۲ھ) جو وہاں دفن ہیں۔ مشہور عالم ابن الجوزی (م ۵۹۶ھ) کے شاگرد اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) کے مرید شیخ بہار الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ (۶۶۱ھ) اور شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۸۹ھ) کے ہم درس اور پیر بھائی تھے۔[۳]

چھتہ مسجد، یہ وہی عبادت خانہ ہے جہاں سرزمین دیوبند کی ہر دلعزیز شخصیت حضرت حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ فرمایا اور خدا کی عبادت وریاضت میں اپنی زندگی کے گرانمایہ لمحات بسر کئے۔ اور ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء کو ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈال کر علم و

---

[۱] تاریخ سہارنپور صـ۱۶۰

[۲] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۹ صـ۶۲۰

[۳] تاریخ دیوبند صـ۴۶

فن کی جو شمع روشن کی اس کی کرنوں سے بلاشبہ ملّتِ اسلامیہ کا ایک طبقہ مستفیض ہو رہا ہے۔ حاجی سید محمد عابد کی مخلصانہ جدوجہد اور بے لوث خدمت کے سبب یہ مدرسہ بہت ہی جلد ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور چند ہی سالوں میں اس مدرسہ میں فقہی کتابوں کا درس ہونے لگا۔ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اس کی مخالفت بھی اسی اعتبار سے ہوتی ہے۔ ہوا و ہوس کے نشانے چاروں طرف سے اس ادارہ پر پڑنے لگے۔ حاجی عابد صاحب چونکہ اللہ والے تھے ان کا ہر عمل للّٰہیت اور خلوص پر مبنی تھا اس لئے مخالفتوں کی تاب نہ لا کر وہ ادارہ سے جدا ضرور ہو گئے لیکن اس ادارہ کی ہر ہر اینٹ میں چونکہ ان کا خونِ جگر شامل تھا اس لئے اس کی ترقی نہ رک سکی اس کی تائید آئینہ دارالعلوم کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

"ابتداً دارالعلوم کی حیثیت ایک چھوٹے مدرسہ سے زیادہ نہ تھی بے سروسامانی کا عالم تھا اور کوئی ظاہری سامان بھی نہ تھا مگر چونکہ اس کی بنیاد اخلاص و للّٰہیت پر رکھی گئی تھی اس لئے یہ ادارہ بتدریج ترقی کرتا گیا۔"[1]

حاجی صاحب کا قائم کردہ وہی مدرسہ آج عالم اسلام میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے اور ملّتِ اسلامیہ کے ایک طبقہ کے لئے مرکزِ توجہ ہے۔

یہی وہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کی تاریخی حیثیت مسخ کر دی گئی اور بانی کی حیثیت سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو پیش کر دیا گیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت نہ تو موصوف وہاں موجود تھے اور نہ ہی ان کا کسی طرح کا تعاون و مشورہ رہا۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود

---

[1] آئینہ دارالعلوم مضمون مولانا محمد یوسف رامپوری شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند یکم جون ۱۹۹۶ء ص ۷ (پندرہ روزہ)

حاجی صاحب کی شخصیت اور ان کے مبارک نام کو ایک مدت ہوئی پردۂ
گمنامی میں ڈال دیا گیا اور بانی کی حیثیت سے ہر ممکن طور پر مولانا محمد قاسم
نانوتوی کے نام کی تشہیر کی جارہی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے شعبۂ
نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شائع شدہ دارالعلوم دیوبند
کے تعلق سے ایک تعارفی کتابچہ ہے۔ اس کتابچہ ص۲ پر "دارالعلوم دیوبند
کا قیام، پس منظر اور اجمالی خدمات" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شامل
ہے۔ اس مضمون میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں نے لکھا ہے:

"۱۸۵۷ء کے انقلاب نے مسلمانی حکومت کا نام و نشان تک مٹا دیا
اور اس کے بعد مسلمانوں پر ہر طرح سے قیامت ٹوٹ پڑی حد یہ ہے کہ
مسلمانوں کے دینی جذبات اور اسلامی غیرت و حمیت کو بھی بے دردی
سے کچلا گیا مدارس اسلامیہ ایک ایک کر کے بند ہوگئے اس طوفانی انقلاب
نے اس وقت کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو جھنجھوڑ ڈالا اسلامی
تعلیمات کی بقا و تحفظ کتاب و سنت کی اشاعت اور مسلمانوں کو اپنے
دین پر جمائے رکھنے کا مسئلہ اہم اور سنگین بن کر سامنے تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس حیرانی و پریشانی کے پرآشوب زمانے میں
اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ وفادار بندوں میں جرأت و ہمت پیدا کر دی چنانچہ
انھوں نے جان و مال سے بے پروا ہو کر دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی
حمایت و بقا کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور
اس کی اشاعت کے لئے سینہ سپر ہوگئے۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ
اور آپ کے رفقائے کار نے مل کر ان تمام صورت حال کا جائزہ لیا مرشد
وقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کیا
گیا۔ مل جل کر سبھوں نے طے کیا کہ پورے برصغیر میں آزاد دینی مدارس کا

سلسلہ شروع کیا جائے اور ان تمام مدارس کے مکمل اخراجات کا بار خود مسلمان برداشت کریں اور سب سے پہلا مدرسہ بجائے کسی بڑے شہر کے قصبہ دیوبند میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ اس پالیسی کے مطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء کو اس مدرسہ کی بنام خدا داغ بیل ڈال دی گئی جس کا سیدھا سادھا نام "اسلامی مدرسہ عربی" تجویز ہوا جو آگے چل کر آج پورے عالم اسلام میں ام المدارس، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے۔"

یہ ہے وہ پُر اسرار فریب جس کی نقاب کشائی کے لئے پہلے مقالہ لکھا گیا اور پھر کتاب ترتیب دی گئی تاکہ ملت اسلامیہ کے ان بھولے بھالے افراد پر واضح ہو جائے کہ وہ ادارہ جہاں کتاب وسنت کی تعلیم ہی اصل ہو وہاں کے ذمہ دار علماء اس قسم کی غلط بیانی سے قوم مسلم کو گمراہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے اس سلسلے میں علماء و دانشوروں کے مختلف خیالات ونظریات ہیں۔ اور آئے دن اس ادارہ کے اصل بانی کے تعلق سے ارباب علم و دانش کی علمی تحقیق اخبار ورسائل کی زینت بنتی رہتی ہیں اس تعلق سے ابھی ایک زوردار بحث اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹ رنومبر ۱۹۹۷ء کو مسجد اقصیٰ کے سابق امام دارالعلوم دیوبند کی زیارت اور اس ادارہ کی خدمات کا اعتراف کرنے دیوبند حاضر ہوئے پہلے توحسب معمول انھیں استقبالیہ دیا گیا پھر ان حضرات کی خدمت میں ایک سپاس نامہ عربی زبان میں پیش کیا گیا۔ اس سپاس نامہ میں دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے فضلاء کا ذکر تو تھا ہی ساتھ ہی اس ادارہ کے بانی حاجی سید محمد عابد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہی نہیں تھا بلکہ بحیثیت بانی ان کی مخلصانہ کاوشوں کو کافی سراہا بھی گیا تھا۔

بعض فضلائے دارالعلوم دیوبند کو یہ بات بری لگی اور انھوں نے ایک مراسلہ اس تعلق سے قومی آواز دہلی کے مراسلہ کالم میں لکھ مارا۔ مراسلہ چھپتے ہی ابنائے دارالعلوم کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ حضرات جو مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کو دارالعلوم دیوبند کا بانی سمجھتے ہیں اس انتظامیہ پر برس پڑے جس نے ان شیوخ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ جناب محمد رضوان عالم قاسمی شمسی نے اس تعلق سے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے بانی دارالعلوم کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے قومی آواز کے مدیر کو لکھا:

"میں آپ کے مؤقر روزنامہ قومی آواز کے توسط سے ارباب دارالعلوم دیوبند و فضلائے دارالعلوم دیوبند کی توجہ خصوصاً اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلک دیوبند کے ترجمان دارالعلوم دیوبند کا بانی کون تھا؟ اس سوال کے جواب کی ضرورت آج ہنگامی طور پر اس لئے پڑی کہ دارالعلوم کی موجودہ انتظامیہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے نام کو بانیان دارالعلوم کی فہرست سے بالکل خارج کر رہی ہے اور ہر موقع پر باہر سے آنے والے معزز مہمانوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حضرت حاجی عابد صاحبؒ ہی دارالعلوم کے اصل بانی مبانی تھے۔ یہاں تک کہ بانی دارالعلوم کے فرزند حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ جو ۳۲ سال تک دارالعلوم کے مہتمم رہے اور پھر بانی دارالعلوم حضرت نانوتوی کے پوتے حکیم الاسلام حضرت الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ساٹھ سال تک دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز رہے۔ مدرسہ سے دارالعلوم بنایا اور پھر اجلاس صدسالہ کر کے پوری دنیا میں دارالعلوم کو متعارف کرایا۔ آج خاندان قاسمی کے ان معصوم بزرگوں کے نشان تک دارالعلوم سے مٹائے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتویؒ بانی دارالعلوم کے روضۂ اقدس پر جو کتبہ لگایا گیا ہے اس میں بانی دارالعلوم بھی نہیں لکھا گیا ہے جب کہ دوسرے حضرات کے روضہ پر بانی دارالعلوم کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ ابھی ۱۹ر نومبر ۹۶ء کو جب مسجد اقصیٰ کے سابق امام لکھنؤ سے دارالعلوم تشریف لائے تو مغرب کی نماز کے بعد ان کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں دارالعلوم کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر ہزاروں کے مجمع میں مسجد رشید کے منبر سے پیش کیا گیا۔ نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دارالعلوم کے استاد مولانا شوکت اعظمی نے حضرت شیخ الہند سے لے کر موجودہ مہتمم صاحب تک کا تعارف کرایا مگر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب و حضرت مولانا حافظ احمد صاحب کا چرچہ تک نہ ہوا۔ اسی طرح نائب مہتمم قاری محمد عثمان صاحب نے مہتمم دارالعلوم کی جانب سے تاریخ دارالعلوم کا ایک خاکہ کتابچہ کی شکل میں عربی میں امام اقصیٰ کو پیش کیا تو اس میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت حاجی عابد صاحب اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کو شمار کرایا گیا ہے اور جو اصل تھے یعنی حضرت نانوتوی ان کا نام غائب کر دیا گیا۔ ایسے واقعات دارالعلوم کی تاریخ کو بدنما کرنے کی بدترین مثال ہیں۔ لہٰذا فضلائے دارالعلوم سے خصوصاً گذارش ہے کہ وہ اس موقع پر حق کا اظہار کرتے ہوئے دارالعلوم اور مسلک دیوبند کی تاریخ کا دفاع کریں اور اس مراسلہ کا جواب مراسلات مضامین اور خطوط کے ذریعہ سے دے کر ارباب دارالعلوم اور موجودہ انتظامیہ کو متنبہ کریں [۱]

محمد رضوان عالم قاسمی شمسی
مقام و پوسٹ ہیبلی، ضلع ارریہ، بہار

---

[۱] قومی آواز، ۷ر دسمبر ۱۹۹۶ء

یہ تھا وہ پہلا مراسلہ جس نے فرزندان دارالعلوم دیوبند کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور وہ لوگ جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بانی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قرطاس و قلم لے کر میدان میں کود پڑے اور مہینوں سوال و جواب اور پھر جواب الجواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مذکورہ مراسلہ کی کاٹ کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک طالب علم عبدالجبار مظفر نگری نے لکھا

"مجھے افسوس ہے محمد رضوان صاحب پر جنھوں نے اپنے نام کے آگے قاسمی لگا کر دیوبندیت اور قاسمیت کی شان کو بے پناہ مجروح کیا ہے اس لئے اگر ان کو عربی کی ذرہ برابر بھی شُدبُد ہوتی تو کبھی ایسا نہیں لکھ سکتے تھے اور زیادہ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ ۸ سال صرف کر کے تعلیم حاصل کی اور قاسمی بنے اور عربی میں صفر؟ یہاں تک کہ جو مبارکبادی کے کلمات قاری محمد عثمان صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کی جانب سے امام مسجد اقصیٰ کی خدمت میں عربی زبان میں پیش کئے وہ بھی نہ سمجھ پائے اور اعتراض کر بیٹھے۔"[۱]

جناب محمد رضوان عالم قاسمی شمسی کے مراسلہ کی تردید میں دارالعلوم دیوبند کے دوسرے طالب علم جناب جاوید اشرف مدھے پوری کا ایک دوسرا مراسلہ بھی شائع ہوا موصوف نے شمسی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

"شمسی صاحب کو جو کچھ لکھنا تھا لکھتے لیکن ضروری تھا کہ حقائق کا دامن نہ چھوڑتے کذب بیانی سے آدمی کا وقار مجروح ہو جاتا اور بات کی اہمیت گھٹ جاتی ہے بلکہ غیر معتبر ہو کر رہ جاتی

---

[۱] قومی آواز دہلی ۱۳ دسمبر ۱۹۹۶ء

ہے ممکن ہے سنی سنائی بات پر یہ سب کچھ لکھ ڈالا ہو لیکن جب اخبار میں آنا ہی مقصود تھا تو اس سے پہلے حقیقت معلوم کر لیتے۔ [1]

کمل دیوبندی نے اپنے طویل تردیدی مراسلے میں اس بحث کو متنوع بنا دیا اور انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی عمارت کے علاوہ قبرستان کو اس بحث میں لپیٹ کر کس پرکس کی اجارہ داری ہے کو بھی واضح کیا ہے۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ یہاں کے نصاب تعلیم میں دارالعلوم دیوبند کی تاریخ بھی پڑھائی جانی چاہئے تھی تاکہ نئی نسلیں سفید پوش لوگوں سے دھوکہ نہ کھا سکیں۔ انھوں نے اپنے مراسلہ میں بانی دارالعلوم کے تعلق سے اپنا نظریہ ان لفظوں میں پیش کیا:

,, میری اپنی جانکاری کے مطابق حضرت مولانا قاسم نانوتوی دارالعلوم کے قیام کے آٹھ سال بعد دیوبند تشریف لائے اسی زمانے میں نظریاتی اختلاف کی بنا پر حاجی عابد حسین صاحب نے ایک تحریر کے ذریعہ اس عمارت کی سرپرستی وقف کی شکل میں مولانا قاسم کے خاندان کے حوالے کردی تھی واضح ہو یہ تحریر ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم پر ناجائز قبضے کے بعد عدالت میں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی کہ دارالعلوم ایک وقف ادارہ ہے جبکہ ناجائز قابض گروپ نے اس کو عدالت میں رجسٹرڈ ادارہ کہا تھا۔ اوپر کی چند سطریں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ بانی دارالعلوم کون ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا قیام حاجی صاحب مرحوم کی نگرانی میں ہوا کیونکہ وہ شہر کی ایک معزز شخصیت تھے مگر اس کو عروج قاسمی خاندان نے دیا جس

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۰ دسمبر ۱۹۹۶ء

میں نمایاں رول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب کا تھا، لہٰ
دارالعلوم دیوبند کے فروغ میں مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے خاندان
نے جو قربانیاں دی ہیں اس کا اعتراف تو ہر فرد بشر کو ہے لیکن ادارہ کے
قیام کے سلسلے میں حضرت سید حاجی محمد عابد صاحب کی انتھک جدوجہد
کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاذ حضرت
مولانا مناظر احسن گیلانی نے باضابطہ اس موضوع پر تحقیق کی پھر اس نتیجے
پر پہنچے کہ اس ادارہ کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد صاحب ہی ہیں
اس کا انکشاف دارالعلوم کے قدیم فارغ التحصیل محمد یونس نے ایک
مراسلہ میں ان لفظوں میں کیا ہے :

" مجھے یاد ہے میں اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تعلیم
حاصل کرتا تھا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد اور شیخ الادب
والفقہ مولانا اعزاز علی حیات تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کو
بانی دارالعلوم کون؟ تحقیق سپرد کی گئی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی
نے اپنے قلم سے حضرت حاجی عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا۔
قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا مولانا مناظر احسن گیلانی
نے فرمایا میری تحقیق یہی ہے کہ حضرت حاجی عابد بانی دارالعلوم
ہیں اور میں اپنے قلم سے اس کو قلم زد نہیں کروں گا آپ کی
مرضی آپ اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیجئے۔ قاری صاحب
نے برہمی کا اظہار فرمایا اور اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیا (جس
کی لاٹھی اس کی بھینس) یہ مثال مولانا طیب صاحب نے صحیح کر کے
دکھائی (معصوم کوئی نہیں ہے)۔"

لہ قومی آواز دہلی ۱۴ دسمبر ۱۹۹۶ء

حقیقت اپنی جگہ ہے کہ دارالعلوم کے بانی حضرت حاجی عابد ہیں
حافظ محمد احمد مہتمم رہتے پھر ان کے بیٹے مولانا طیب مہتمم رہے اس
وجہ سے ان کے دادا بانی دارالعلوم بن گئے۔ ان مثالوں سے
کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حقیقت سے انحراف کب تک کریں گے
کبھی نہ کبھی تو حقیقت کھل کر سامنے آہی جاتی ہے۔ [1]

سید افتخار حسین محلہ ضیاء الحق دیوبند قبلہ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین
رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اس بحث میں ان کا شامل ہونا اس
لئے ضروری تھا کہ حقائق و معارف کی جو دستاویزان کے پاس ہیں اس
سے بہت سی باتوں کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنے مراسلے میں
دارالعلوم کی تاریخ کے سلسلے میں جن حقائق کا انکشاف کیا ان کا اختصار
ذیل میں دیا جا رہا ہے وہ فرماتے ہیں:

"سب جانتے ہیں کہ دارالعلوم ایک الہامی مدرسہ ہے اور یہ
الہام الحاج سید محمد عابد حسین صاحب پر ہوا تھا جس کا تذکرہ مولانا
ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد شیخ الہند) نے اپنی کتاب
"الهدية السنيه فی ذکر المدرسة الاسلامية الديوبندية"
مطبوعہ ۱۳۰۷ھ میں اس طرح کیا ہے "وہ فخر اماثل، اماجد سید محمد عابد
رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سحاب کے برسنے تک اور
کتاب کے پڑھے جانے تک باقی رکھے اس مدرسہ مقدسہ کی
بنیاد قائم کرنے کا الہام کیا" اور آپ آگے لکھتے ہیں:
"پس حضرت ممدوح نے تائید رائے کے لئے ۱۲۸۲ھ میں پکارا
خلقت نے اسے نہایت غور سے سنا اور قبول کیا اور جناب

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۷ دسمبر ۱۹۹۶ء

والا کی التماس کا اتباع کیا بس یہ مدرسہ آنجناب کی سعی مشکور سے علم اور علماء کا ٹھکانہ اور مرجع فضل وفضلاء وپناہ دین ودینداراں بن گیا۔"

● چندہ کے لئے رومال پھیلانے والے اور سب سے پہلے چندہ دینے والے حاجی سید محمد عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کی تصدیق مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے مشہور قصیدہ میں اس طرح کی ہے

مرد حق عابد صداقت کیش — اولیں گستر اندر رومالش
ہم باخلاص دل دراں بنہاد — خیرے از طیبات اموالش
گویا ایں ہمہ فتوح کثیر — در رسیدہ ہمہ بافضالش
لیک ایں طائر ہمایوں فال — شدز قاسم عطا پر و بالش

اور اس کی تائید مولانا فضل حق صاحب نے بھی سوانح مخطوطہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے ملاحظہ ہو سوانح قاسمی مولانا مناظر حسین صاحب گیلانی (ص ۲۳۸ ج - ۲) -

● جس زمانے میں دارالعلوم قائم ہوا اس زمانے میں مولانا قاسم صاحب نانوتوی میرٹھ کے مطبع مجتبائی میں تصحیح کا کام انجام دیتے تھے جس کا ذکر مولانا یعقوب صاحب نے سوانح عمری مولانا محمد قاسم (مطبوعہ ۱۲۹۷ھ) میں یوں کیا ہے احقر اس زمانے میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا منشی جی جج کو گئے تھے اس وقت ایک جماعت نے مولوی محمد قاسم صاحب سے مسلم شریف پڑھی احقر بھی شریک رہا یہ وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی۔

● دیوبند میں مولانا قاسم صاحب کا قیام ۱۲۹۰ھ سے پہلے ثابت نہیں ہے ۱۲۹۰ھ میں دیوبند کی جامع مسجد میں سالانہ امتحان منعقد ہوا اہل اسلام اور خیر خواہان دارالعلوم جو مختلف اضلاع اور نواح سے تشریف لائے ان میں قابل ذکر نام یہ ملتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رشید احمد

گنگوہی، مولانا نور اللہ صاحب گلاؤٹھی (روداد ۱۲۹۰ھ) اس سے پہلے تک مولانا قاسم صاحب کا مستقل قیام میرٹھ اور دہلی میں رہا کبھی نانوتہ اور دیوبند بھی آجایا کرتے تھے۔

● ۱۳۰۶ھ میں شاہ رفیع الدین صاحب کے دیوبند سے ہجرت کر جانے کے بعد مدرسے سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا (جو الحمد للہ ہمارے پاس ابھی تک محفوظ ہے) جس پر مندرجہ ذیل بزرگوں کے دستخط موجود ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، منشی فضل حق صاحب مہتمم سوم دارالعلوم دیوبند، حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی، حکیم ضیاء الدین صاحب رام پوری۔ اس اشتہار کا ایک ٹکڑا نقل کر رہا ہوں

> "در جملہ خیر خواہان مدرسہ کو بسبب روانگی مولوی صاحب موصوف کے نہایت تشویش پیش آئی ناچار بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ سب مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت حاجی محمد عابد صاحب جو بانی مدرسہ و مجوز اول ہذا حامی و سرپرست و سرآمد ارباب شوریٰ ہیں حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ اب جناب اس کا بہ اہتمام کو انجام دیں کہ آخر یہ مدرسہ آپ کا ہی ہے۔"

رضوان صاحب! ابتدائی تیس سالوں کی رودادوں میں بارہا حاجی محمد عابد صاحب کو اصل اصول مدرسہ (بانی مبانی) لکھا گیا ہے ملاحظہ ہو (روداد ۱۲۸۶ھ) حضرت نانوتوی کو مدیر لکھا گیا اور بعض جگہ مربی اعظم کے الفاظ ملتے ہیں لیکن اصل اصول حاجی صاحب کو ہی لکھا گیا ہے (روداد ۱۲۹۵-۹۶ھ) اگر مولانا قاسم صاحب دارالعلوم کے بانی تھے تو کیوں ان بزرگوں نے حاجی صاحب کو بانی لکھا مولانا کو بانی نہیں لکھا۔ ۱۳۱۲ھ میں مولانا حافظ احمد صاحب ابن مولانا قاسم صاحب دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے دنا صاحب نے نام کے ساتھ مولانا قاسم صاحب نانوتوی کو ۱۳۲۰ھ تک سابق

سرپرست لکھتے رہے۔ کیا مولانا قاسم صاحب ۱۳۲۰ھ سے پہلے بانی نہیں تھے۔ مولانا کو بانی کہنے والے حضرات اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ [۱]

قاضی فرید پاشا آزاد نائب قاضی شہر مظفر نگر کی تحریروں سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ انھوں نے اپنے ایک مراسلے میں لکھا ہے:

"قریب پانچ سال پہلے جب میں دہلی کے ایک مشہور ہفت روزہ اخبار کے لئے کام کرتا تھا جب میں نے یہ تحقیقات کی تھی کہ دارالعلوم کا اصل بانی کون تھا اور اسی زمانے میں میرا ایک مضمون اس موضوع پر شائع ہوا تھا جس میں تمام تر ثبوت کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید عابد حسین صاحب تھے یہ تمام ثبوت آج بھی میرے پاس موجود ہیں"

"قاضی فرید پاشا نے اپنے طویل مکتوب میں یہ بھی لکھا ہے:

"حاجی عابد حسین کے ایک مرید نے اپنی زمین حاجی صاحب کے نام ہبہ کردی جس کے حدود اربعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آج جہاں دارالعلوم ہے یہ اسی ہبہ کردہ زمین پر قائم ہے" [۲]

جب پے در پے کئی مراسلے دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کے تعلق سے شائع ہوئے تو اس سلسلے میں جو کچھ مجھے معلوم تھا انہیں ترتیب دینا شروع کردیا۔ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و جلالت کا معترف میں پہلے ہی سے تھا کیونکہ وہ سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ تھے اور حضرت میاں راج شاہ سہارنپوری علیہ الرحمۃ والرضوان سے انھیں خلافت

---

[۱] قومی آواز دہلی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ء

[۲] قومی آواز دہلی ۴ دسمبر ۱۹۹۶ء

حاصل تھی یہ وہ ذہنی مناسبت تھی جس نے میری مخلصانہ توجہ کو مہمیز کیا اور دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کا پتہ لگانے میں منہمک ہو گیا اس سلسلے میں جتنے معاصر دستاویز و تحریریں تھیں تقریباً سب میں نے کھنگال ڈالیں اور ایک شبہ جو ایک زمانے سے میرے ذہن میں تھا اپنی تحقیق و جستجو کے ذریعہ اسے رفع دفع کیا۔ اور اپنے اس طویل مقالے میں ایسے ٹھوس بہت حقائق و شواہد پیش کئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حاجی سید محمد عابد ہی دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دارالعلوم کی بنا سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اخبار چراغ حرم دسمبر ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ؟ کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا اس مضمون کے علاوہ بانی دارالعلوم دیوبند کے عنوان سے مختصر مضمون شائع کرنے کے بعد "چراغ حرم" کے ایڈیٹر جناب اظہر صابری نے ارباب علم و فضل سے یہ درخواست کی تھی کہ بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے لوگ اپنی معلومات و تحقیقات پیش کریں۔ ایڈیٹر کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے، سید افتخار حسین نبیرۂ حاجی حافظ سید محمد عابد حسین صاحب قدس سرہ نے حقائق و معارف پر مشتمل اپنا مقالہ چراغ حرم کے ایڈیٹر کے نام ارسال کیا یہ مقالہ چراغ حرم میں تو شائع ہوا ہی ساتھ ہی کتابچہ کی شکل میں بھی اسے شائع کیا گیا میرے پیش نظر وہی کتابچہ ہے جو کل چودہ صفحات پر مشتمل ہے جس کے سرورق پر واضح لفظوں میں یہ عبارت درج ہے۔

"بانی دارالعلوم دیوبند حاجی سید محمد عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں مولانا محمد قاسم صاحب نہیں ہیں"

اس کتابچہ میں کیا ہے اس کا تفصیلی ذکر تو کسی اور مقام پر کیا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کیا جا رہا ہے کہ:

"حاجی صاحب نے تین چلے کئے پہلا جنگل میں دوسرا چودھری صابر بخش کی مسجد میں اور تیسرا مسجد چھتہ میں جب آپ تیسرے چلے ہی میں تھے کہ آپ کو مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا جمعہ کی شب میں خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرماہیں۔ اور حاجی صاحب قدس سرہ کو حکم فرمارہے ہیں کہ یہاں ایک عربی مدرسہ دین واسلام کی بقا اور ترویج کے لئے قائم کیا جائے" صبح کو حاجی صاحب نے دیوبند کے سربرآوردہ حضرات کو مسجد چھتہ میں بلایا مولانا مہتاب علی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا فضل حق مولانا نذیر احمد اور دوسرے حضرات شریک ہوئے۔ حضرت حاجی محمد عابد صاحب قبلہ نے ان حضرات کے سامنے اپنے رات کے خواب کو بیان کیا اور ایک عربی مدرسہ کے قیام کی رائے پیش فرمائی اور فرمایا کہ جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ملے گا ان حضرات نے مکمل طور پر تعاون کا یقین دلایا اور امداد کا وعدہ فرمایا۔ اسی مجلس میں حاجی صاحب قدس سرہ نے اپنا سفید رومال چندہ کے لئے بچھادیا اور ساتھ ہی اپنی جیب سے تین روپئے اس رومال پر رکھے اور ہمیشہ دینے کا وعدہ فرمایا ان حضرات نے بھی اپنا نام لکھوایا اور مجلس ختم ہوگئی یہ واقعہ ۲ر ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ بروز جمعہ کا ہے صبح ہوئی اشراق کی نماز کے بعد گلے میں جھولی ڈالی اور اپنے تین روپئے اس میں ڈالے اور گھر جاکر چندہ کا عمل شروع کر دیا اور شام تک چار سو ایک روپئے اور آٹھ آنے جمع ہوگئے اور پھر ڈیڑھ ماہ کی مدت میں اتنے روپئے جمع ہوگئے کہ ۱۵ ارمحرم ۱۲۸۳ھ کو دارالعلوم کا قیام عمل میں آگیا۔ مدرسہ کی ابتدا کے وقت طلبہ کی تعداد اکیس تھی اور سال کے آخر یہ تعداد اٹھہتر ہوگئی جن میں اٹھاون طلبہ ہندوستان سے باہر کے تھے اور ان میں باون طلبہ کو اہل دیوبند کی طرف سے کھانا

ملتا تھا۔ ؎۱

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو چھپانے کے لئے کتنی تدبیریں کیوں نہ کی جائیں مگر اسے پابند سلاسل نہیں کیا جاسکتا حق ہمیشہ روشن ہی رہتا ہے۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب کو ایسے پُر آشوب دور میں اسلامی مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا تھا۔ جب تن کے گورے من کے کالے انگریز ہندوستان کے تخت حکومت پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ ملک کے قابل اعتماد علماء کو تختۂ دار کی زینت بنایا جاچکا تھا اور جو باقی تھے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی سازشیں رچی جا رہی تھیں۔ دہلی جہاں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک ہزار اور صوبہ بنگال جہاں عہد عالمگیری میں اَسّی ہزار مدرسے دین حق کی اشاعت میں سرگرم عمل تھے۔ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ہندوستان میں انگریزوں کی دراندازی سے سب سے بڑا نقصان مدارس کو ہوا۔ ہندوستان کے وہ مراکز جہاں سے دین کی اشاعت ہوتی تھی اور مسلمانوں کو جینے کا شعور سکھایا جاتا تھا دھیرے دھیرے ختم کیا جانے لگا اور حکومت کے جانکاہ رویے سے مسلمانوں میں علمی تنزل کے احساسات فروغ پانے لگے۔ معاشی زندگی مسلمانوں کی [illegible] ور ہو ہی چکی تھی ہندوستان کے بڑے رؤسا اور جاگیردار بھی رفتہ رفتہ اپنی جائیداد سے ہاتھ دھو رہے تھے۔ ہندوستان کی دولت در پردہ برطانیہ جا رہی تھی ملک کو معاشی اعتبار سے کھوکھلا تو کیا ہی جا رہا تھا مذہبی قدغن سے انسانوں بطور خاص مسلمانوں کے ذہن و دماغ بھی مفلوج کئے جا رہے تھے ایسے ماحول میں کسی دینی مدرسے کا قیام اور اس کا فروغ بغیر تائید الٰہی کے ممکن نہ تھا۔

؎۱ روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ ص ۳

اس لئے اہم کام کی تکمیل کے لئے من جانب اللہ یہ ذمہ داری سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے توسط سے حاجی صاحب کو سپرد ہوئی اور ایک دینی مدرسہ کے قیام کا الہام ہوا۔ انھوں نے اس ذمہ داری کو بطور احسن انجام دیا اور اپنی شبانہ روز کی مساعی اور اپنے احباب ومخلصین کے تعاون سے دیوبند کی سرزمین پر تحفظ دین اور ناموس رسالت کی پاسبانی اور نگہداشت کے لئے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور اس ادارہ کو فروغ دینے کے لئے باتفاق رائے حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہی اس ادارہ کا مہتمم منتخب کیا گیا حاجی صاحب نے جس مخلصانہ جذبہ کے ساتھ اس ادارہ کا اہتمام والنصرام فرمایا اس کی نظیر مشکل سے ہی ملتی ہے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جہاں ہزاروں مدارس تھے وہاں نام کا بھی کوئی مدرسہ نہیں رہ گیا اور انھوں نے جس نظام تعلیم کو جاری کیا اس میں مذہبی تعلیم کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ یہ واقعہ ہے لیکن اس کے برخلاف جب ہم دیکھتے ہیں تو بیسویں صدی کے نصف اول میں انہی تن کے گوروں اور من کے کالوں نے مسلمانوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کیا پرائمری اسکول قائم کئے وسطانی اور اعلیٰ تعلیم تک مدارس کو بڑھانے کے لئے منصوبہ بنایا گیا ایک نہیں بلکہ پانچ پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف محمڈن اسکولس مقرر کئے گئے ان تعلیمی اداروں میں مذہب اسلام کی خدمت کس قدر ہوتی تھی بحث اس سے نہیں ہے دفعتًہ ان کے ذہن و دماغ میں اس طرح کا بدلاؤ کس طرح آگیا۔ اس کے پس منظر میں کیا عوامل و محرکات ہیں جب اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پس پردہ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی سرزمین پر ہونے والا فساد ہے جس میں تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے مسلمانوں کا غم غلط کرنے اور ان

کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے خوں بہا کے طور پر مسلمانوں کے لئے تعلیمی مراکز کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اس اجمال کی قدرے تفصیل اس طرح ہے

۱۹۱۳ء میں جب کانپور میں مچھلی بازار والی مسجد کا بازو گرایا گیا اور مسلمان احتجاج کرنے کے لئے جمع ہوئے تو پولس کی گولیوں سے تقریباً تین سو مسلمان شہید ہوئے ہندوستان میں تو اس حادثۂ فاجعہ پر کچھ زیادہ چہ میگوئی نہیں ہوئی لیکن برطانیہ میں اس واقعہ کو زیادہ مشہور کیا گیا اور ایوان حکومت کے اندر باہر ہندوستانی حکومت پر کڑے لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی یہاں تک کہ اس وقت یو پی کے گورنر بھی بہت زیادہ پریشان ہو گئے اس زمانے میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی مسلم لیگ ضرور وجود میں آچکی تھی لیکن وہ امراء اور تعلق داروں کی جماعت تھی جسے مسلمانوں کے دکھ درد سے زیادہ دلچسپی نہ رہ گئی تھی لے دے کے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تھی جو اصولاً تو تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھتی تھی مگر اس کے سالانہ اجتماعات میں شرکائے کانفرنس مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مسائل پر بھی تبادلۂ خیالات کیا کرتے تھے اس کا صدر ایم، او، کالج کے مجلس ٹرسٹیاں کا سکریٹری ہوا کرتا تھا اس زمانے میں اس ذمہ داری کے فرائض نواب وقار الملک انجام دے رہے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے جب وہ گورنر سے ملاقات کے لئے پہنچے تو اس نے اظہار افسوس کے ساتھ کہا کہ نواب صاحب برطانیہ کی گورنمنٹ کو بہت زیادہ افسوس ہے کہ کانپور کے اندر تین سو مسلمان مارے گئے۔ نواب صاحب نے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا

"اے حضور رہنے دیجئے مسلمانوں ہی کا تو خون تھا بہہ گیا سو بہہ گیا کوئی کتے بلّیوں کا خون تو تھا نہیں جس کا صدمہ کیا جائے۔"

اس طنز سے گورنر بالکل کٹ گیا اور پھر اسے مزید ہمت ہی نہ پڑی کہ اس حادثہ فاجعہ کے بارے میں کچھ معذرت کرے کہا جاتا ہے کہ گفتگو کا رُخ موڑنے کے لئے اس نے کہا کہ نواب صاحب آپ کو شکایت تھی کہ برادران وطن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو تعلیم کے معاملے میں ترقی کا موقع نہیں دیا جاتا میری حکومت نے بھی اس بات پر غور کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ کی یہ شکایت بجا ہے لہٰذا سردست ہم تجربہ کے طور پر اپنی اسکیم کے دائرۂ عمل کو پرائمری ایجوکیشن تک محدود رکھتے ہیں کامیابی کے بعد وسطانی اور اعلیٰ تعلیم تک بھی بڑھا دیں گے۔ اس طرح مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مخصوص افسر اور اس کا محکمہ قائم کیا جائے گا اور اس طرح تین سو شہیدوں کے خوں بہا کے طور پر انسپکٹر آف اسکولس کی جگہ قائم ہوئی اور ان کی مدد کے لئے پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف محمڈن اسکولس مقرر کئے گئے انسپکٹر کی جگہ پہلا تقرر نواب وقار الملک کے پرائیویٹ سکریٹری مولوی ابوالحسن غازی پوری کا ہوا پھر وہ جھانسی ڈویژن کے انسپکٹر آف اسکولس ہوگئے اور اپنے ہمراہ انسپکٹر آف محمڈن اسکولس کا دفتر بھی لے گئے ان کے سبکدوش ہونے کے بعد مولانا آل علی نقوی کا تقرر ہوا اس عہدہ کے آخری عہدیدار ظفرالدین صاحب تھے جو ۱۹۵۲ء میں اسے ختم کر کے مراد آباد کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس بنا دیئے گئے۔ اس عہدے کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ عربی مدارس کی اصلاح کے نام سے ایک کمیٹی بنائی گئی ورنہ اس سے پہلے مدارس کا کوئی نظم نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے کسی مولوی صاحب نے مُلّا اور فاضل کے امتحانات کا نظم جاری کیا تھا جو ۱۹۲۱ء تک چلتا رہا بہر حال اس کمیٹی نے سرکاری سرپرستی میں مدارس عربیہ کی تنظیم اور نگہداشت کے لئے ایک اسامی تجویز کی یعنی انسپکٹر آف مدارس عربیہ جس کے لئے کمیٹی کی

نظر میں موزوں ترین شخص ڈاکٹر عبدالستار صدیقی قرار دیئے گئے مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ جرمنی میں تھے جہاں لڑائی کے دوران نظر بند تھے۔ گورنر کے ایک حاضر باش جانشین اور مشیر کار دوست منشی احترام علی کاکوروی تھے جو مولانا ضیاء الحسن علوی مرحوم کے ماموں اور خسر بھی ہوتے تھے اور انھوں نے گورنر سے کوشش کر کے اس جگہ پر اپنے بھانجہ کا تقرر کرا لیا۔

مولانا ضیاء الحسن علوی ندوہ کے فارغ التحصیل اور علی گڑھ کے ایم۔اے بھی تھے انہوں نے بڑے تندہی سے اس عہدہ کو سنبھالا اور ۱۹۲۱ء میں مزید نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے عربی و فارسی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا اس نظام میں دو امتحانات فارسی میں منشی اور کامل اور تین عربی میں مولوی عالم اور فاضل مقرر ہوئے فاضل کے امتحان میں تین شعبے تھے ادب دینیات اور طب۔

کچھ دنوں بعد مولانا ضیاء الحسن علوی کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا جس کے صدمہ نے انھیں بالکل مضمحل کر دیا اور پورا دفتری نظام ان کے ہیڈ کلرک منشی کبیر الدین کے ہاتھوں میں آگیا منشی کبیر الدین گھر کے زمیندار تھے اور ان کو نیشنلسٹ قسم کے مسلمانوں بالخصوص جمعیۃ العلماء کے لوگوں سے بڑی شدید کدورت بھی لہذا اگر کوئی ان سے دفتر میں ملنے جاتا تو اس کے ساتھ انتہائی سختی اور درشتی سے پیش آتے اور کبھی کبھی تو ان کا لہجہ انتہائی حقارت آمیز ہو جاتا مگر اہل معاملہ مجبور تھے ۱۹۳۶ء میں صوبہ میں قومی حکومت قائم ہوئی تو نیشنلسٹ طبقہ والوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مولوی ضیاء الحسن اور منشی کبیر الدین سے اگلا پچھلا حساب صاف کرانا ہے چنانچہ سب سے پہلے تو ضیاء الحسن پر الزام لگایا گیا کہ امتحانات میں بڑی دھاندلی ہوئی ہے اور حکومت کو مجبور کیا گیا کہ اس کے لئے باقاعدہ تحقیقات کرائی جائے۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنی اور وہ بھی ایسی جو ضیاء الحسن صاحب کیلئے دل میں نرم گوشہ

رکھنی بھی اور اس کمیٹی نے انہیں ان تمام الزامات سے بری کر دیا ورنہ
مخالفین تو بانگ دہل اعلان کرتے تھے کہ منشی کبیر الدین کو برخواست
کرا دیں گے اور ضیاء الحسن کو بھی چھٹی پر جانا پڑے گا ۔
جب حریفوں کو اس محاذ پر ناکامی ہوئی تو انھوں نے ایک دوسری
چال اختیار کی کہ امتحانات کے لئے یہ نصاب ۱۹۲۱ء میں مرتب ہوا تھا اور
جب کہ ملک میں قومی حکومت قائم ہو رہی ہے حالات بدل چکے ہیں نیز دوسرے
ممالک میں تعلیم کا انداز بدل گیا ہے یہ بات خاص طور سے منشی کبیر الدین کے
حریف محمد میاں الہ آبادی کہتے تھے جو مصر سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے.
لہذا مولانا ابو الکلام آزاد کے زیر صدارت قومی گورنمنٹ نے ایک کمیٹی
قائم کی جس کے ذمہ امداد پانے والے مدارس کے نصاب کی تنظیم جدید تھی
مگر غالباً اس کمیٹی کے محرکین کی نیت خیر پر نہیں تھی مقصد صرف ضیاء الحسن
اور منشی کبیر الدین کو نقصان پہنچانا تھا لہذا یہ کوئی مفید کام انجام نہ دے
سکی ہوا یہ کہ جب برادران کو (جو راز درون پردہ سے واقف تھے) یہ معلوم ہوا
تو انھوں نے بھی حکومت پر زور دیا کہ سنسکرت پاٹھ شالاؤں کی اصلاح
کے لئے بھی ایک کمیٹی بنائی جائے۔ اس کے لئے بھی ایک کمیٹی بنی چونکہ
اس کمیٹی کے ممبران کی نیت خیر پر تھی اس لئے اس نے بڑی تندہی سے
کام ختم کر کے آخری رپورٹ گورنمنٹ کو پیش کر دی مگر اسی دن حکومت
مستعفی ہو گئی اور سنسکرت پاٹھ شالاؤں والی رپورٹ عمل میں نہ آسکی اور
مولانا ابو الکلام آزاد کی زیر سرپرستی جو عربی کمیٹی بنی تھی اس کا انجام ؎
دیکھ مسجد میں شکستہ رشتۂ تسبیح شیخ   بتکدہ میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
پر منتہی ہوا۔ ممبران کی نیت غالباً ضیاء الحسن اور منشی کبیر الدین کے ذلیل
کرنے پر مرکوز رہی چنانچہ جیسا کہ عام دستور ہے کہ ہر کمیٹی کا سکریٹری متعلقہ
محکمہ یا شعبہ کا سربراہ ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہوا اس کمیٹی نے

ضیار الحسن صاحب کو سکریٹری تو درکنار معمولی ممبر بھی نہیں بنایا ان کے مقابلے میں ایک معمولی ٹیچر کو سکریٹری بنادیا گیا مگر قدرت کو دونوں کی عزت رکھنی مقصود تھی اس لئے اس دوران کمیٹی اپنا اجلاس نہ کر سکی اور اس کی وجہ حکومت کی برخاستگی تھی اس مدت میں منشی کبیر الدین اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد باقاعدہ پنشن لے کر ریٹائر ہوگئے اور مولانا ضیار الحسن طبعی موت سے اللہ کو پیارے ہوگئے اس لئے اس کمیٹی کے محرکین نے جو ان کے خلاف سازش کی تھی وہ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ [1] (اور برا داؤں اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے) کی آیت کا مصداق ثابت ہوئی۔ مولانا ضیار الحسن کے بعد اس عہدہ کی سربراہی انسپکٹر آف محمڈن اسکولس کو عارضی طور پر تفویض ہوئی اور ان سے مولانا شبیر احمد خاں غوری نے ۲۳ راکتوبر ۱۹۴۵ء کو چارج لیا۔ انھوں نے بیس اکیس سال اس عہدے پر رہ کر عربی مدارس کی اصلاح کی اور مدارس کو ایک عمدہ نصاب تعلیم دیکر ۳۰ راگست ۱۹۶۶ء کو اس منصب سے عہدہ برآ ہوئے اسکے بعد ابوذر رمانی صاحب کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور پھر ترقی دے کر ہر اہل اور نا اہل کو اس عہدہ سے سرفراز کیا جاتا رہا اس بورڈ کی آج کیا حالت ہے دینی مدارس سے تعلق رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔ جو نصاب مولانا شبیر احمد خاں غوری نے پچاس سال قبل جاری کیا تھا مدارس کے ارباب حل و عقد، اساتذہ اور طلبہ اسی کو صراط مستقیم سمجھ کر بڑی تندہی کے ساتھ اسی پر رواں دواں ہیں۔

بہر حال دار العلوم دیوبند کے مہتمم جب تک حاجی محمد عابد حسین صاحب رہے انگریز کی سازشوں سے وہ مدرسہ بالکل پاک وصاف رہا ان کا ہر عمل اخلاص پر مبنی تھا ان کی یہ جدوجہد عزت و ناموری کے لئے نہیں بلکہ دین پاک مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کی اشاعت کے لئے تھی جب تک

---

[1] فاطر - ۴۳

قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے ادارہ کو بختارہا حاجی صاحب کا ہر ہر لمحہ ادارہ کے لئے وقف رہا لیکن جب اس مدرسہ میں دین کی تعلیم انگریز حکومت کے منشار کے مطابق ہونے لگی ادارہ مقصد اصلی سے رفتہ رفتہ دور ہونے لگا تو حاجی صاحب نے استعفیٰ دیدیا اور ہمیشہ کے لئے اس ادارہ سے کنارہ کش ہوگئے۔ حاجی صاحب کے سبکدوش ہونے کے بعد ادارہ میں کیا نمایاں تبدیلی آئی اور اس نے کس طرح دینی خدمت انجام دی اس کا ذکر تو بعد میں کیا جائے گا پہلے حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے تاکہ بلا جھجک یہ باور کیا جاسکے کہ اس مرد درویش نے دار العلوم دیوبند کی شکل میں علم و فن کی جو شمع روشن کی تھی اس کی لو کو تیز تر رکھنے کے لئے اپنا خون جگر استعمال کیا تھا۔ یہ اسی خلوص دل اور جذبۂ صادق کا نتیجہ ہے کہ ادارہ اب بھی شاہراہ ترقی پر رواں دواں ہے۔

بانیٔ دارالعلوم دیوبند

کے حالاتِ زندگی پر

ایک طائرانہ نظر

بانی دارالعلوم دیوبند کے حالات زندگی پر
ایک طائرانہ نظر

جن بزرگانِ دین نے خلقِ خدا کی تربیت کا اہتمام ظاہری و باطنی دونوں صورتوں میں کیا ان میں حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی اسمِ گرامی سرِفہرست ہے۔ اگر حاجی صاحب نے چھتہ کی مسجد میں بیٹھ کر بیعت و ارشاد کے ذریعہ خلقِ خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تو دوسری طرف دیوبند کی سرزمین پر ایک عظیم ادارہ کی بنیاد ڈال کر ملّتِ اسلامیہ کے نونہالوں کو علمِ دین مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء سے آراستہ ہونے کے لئے اسباب مہیا کئے۔

حاجی صاحب کی ولادت باسعادت دیوبند کے مردم خیز قصبہ میں ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ کم عمری ہی میں حفظ قرآن حکیم کی تکمیل فرمائی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم کے لئے مہتابی مکتب میں داخلہ لے لیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دہلی کا سفر کیا وہاں زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ والد ماجد دنیا سے رخصت ہوگئے اس خبر جانکاہ نے حاجی صاحب کے ذہن و دماغ کو ماؤف کردیا سلسلہ تعلیم منقطع کرکے دیوبند واپس آگئے اور یہیں ذکر و اذکار میں مشغول ہوگئے۔ حصولِ معاش کے لئے عطورات کی دوکان کرلی روز و شب کا بیشتر حصہ کلام الٰہی کی تلاوت میں صرف ہوتا۔ جب مولانا ولایت علی سہارنپوری دیوبند تشریف لائے تو حاجی صاحب نے انھیں کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس وقت اذکار و اشغال میں تو اضافہ ہوا ہی ساتھ ہی تہجد کی نماز کے پابند بھی ہوگئے۔ اور یہ پابندی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔ نماز پنجگانہ کا اہتمام تو اس درجہ تھا کہ بس! اٹھاتیس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ صبح کی تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی تو آپ کو اتنا شدید صدمہ ہوا جتنا کہ کسی آدمی کو اپنے جوان بیٹے کی

موت پر ہوتا ہے۔ اس غم میں کئی دن بھوکوں پیاسوں رہے جب صاحبزادی نے کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔

"۲۸ سال کے بعد آج صبح کی تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی ہے۔" [۱]

حاجی صاحب حضرت مولانا ولایت علی سہارنپوری سے روحانی طور پر وابستہ ہو ہی گئے اس وابستگی کے باوجود جب حضرت میاں جی کریم بخش رام پوری جب رام پور ضلع سہارنپور سے دیوبند آئے تو حاجی عابد حسین صاحب نے ان سے بھی بیعت کا شرف حاصل کر لیا آپ کو دامن ارادت سے وابستہ کرنے سے قبل حضرت میاں جی کریم بخش نے آپ کے تعلق سے ایک خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت میاں جی نے فرمایا:

آسمان پر ایک بہت بڑا ستارا ہے اور اس کے گرد وپیش بھی بہت سے ستارے ہیں اور بڑا ستارا میری گود میں آگیا ہے جب صبح ہوئی تو حضرت میاں جی صاحب نے اس خواب کی تعبیر یہ فرمائی کہ مجھ سے کوئی سید بیعت ہوگا جس سے لوگوں کو بہت فیض پہنچے گا اور دین کے کام اس سے بہت ہوں گے۔ دنیوی جھگڑوں سے بچے گا خاندان کو روشن کرنے والا ہوگا" [۲]

میاں جی کریم بخش رام پوری نے آپ کو اپنے دامنِ ارادت سے وابستہ تو کیا ہی تھا مگر دورانِ بیعت انھوں نے آپ پر کچھ ایسی مخصوص توجہ فرمائی جس کے سبب آپ اپنے پیر و مرشد کے لطف و کرم کے گرویدہ ہوگئے اور انہیں کی خدمت میں رہنے لگے۔ شیخ کی صحبت نے آپ کو سلوک اور مجاہدہ و ریاضت کے تمام تر مراحل سے گذار کر روحانیت کے اس بلند

---

[۱] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۱۱۱

[۲] تذکرۃ العابدین ص۶۲

مقام پر پہنچا دیا جہاں تک کم ہی لوگوں کی رسائی ہو پاتی ہے عملیات و وظائف میں درود شریف کی کثرت تھی اور اس کثرت کے سبب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری بھی ہونے لگی تھی اس حضوری سے حاجی صاحب کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی جب اس کی اطلاع آپ کے مرشد میاں کریم بخش کو ہوئی تو کبھی کبھار وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے فرماتے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کر دینا۔ [1]

مرشد کا دامنِ ارادت تھامنے کے بعد آپ کی زندگی میں نمایاں تبدیلی یہ آئی کہ ایک تو آپ نے شادی کر لی اور دوسرے عطر کی دوکان چھوڑ کر لوگوں کو پانی پلانے کا کام انجام دینے لگے۔ پانی پلانے کا کام بطور پیشہ انجام دینا ایک مہذب سماج کے افراد کے لئے معیوب سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے حاجی صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا اور روز و شب ریاضت و مجاہدہ اور اطاعت و عبادت میں مصروف ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحب نے اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی حضرت میاں کریم بخش سے بیعت ہونے کی تلقین فرمائی چنانچہ اہلیہ محترمہ بھی حضرت میاں جی صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئیں اور سلوک کے وہ مراحل طے کر لئے کہ جب درود شریف پڑھتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاتیں اب جب کوئی میاں جی صاحب سے بیعت ہونے کے لئے آتا تو اس کو حاجی صاحب سے بیعت کراتے حاجی صاحب بیعت کرنے سے بہت کتراتے تھے اور جب کوئی مرید ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو چھپ جایا کرتے تھے چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے: حضرت میاں جی کریم بخش جب پہلے روز ایک شخص کو بیعت کرانے کی

---

[1] تذکرۃ العابدین ص ۹۲

غرض سے مسجد چھتہ میں تشریف لائے تو ان کے ساتھ اور بھی بہت سارے مرید بھی آئے جس کمرہ میں حاجی صاحب رہتے تھے وہ کمرہ خالی پایا حاجی صاحب اس میں نہ تھے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ابھی تھے اور ابھی کہاں چلے گئے حضرت میاں جی صاحب نے مریدوں سے فرمایا کہ دیکھو حاجی صاحب یہیں کسی جگہ ہوں گے مریدوں نے بہت تلاش کیا مگر حاجی صاحب کہیں نہ ملے تو حضرت میاں جی سے عرض کیا وہ تو کہیں نہیں ملے آپ نے فرمایا مسجد میں تلاش کرو وہیں ہوں گے اس کے بعد آپ کے مرید گئے تو دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب مسجد کی صفوں میں چھپے بیٹھے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں اسی حالت میں ان کو حضرت میاں جی صاحب کے پاس لایا گیا اس وقت وہ بھی زار وقطار رو رہے تھے حضرت میانجی صاحب نے فرمایا ان کو میرے سامنے بیعت کرلو۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا یہ بوجھ مجھ سے نہ اٹھے گا میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا خدا تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ مجھے یہی حکم ہوا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد اور حکم پر حضرت حاجی صاحب نے روتے روتے نمناک آنکھوں کے ساتھ ان کو مرید کیا حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ خدا کی مخلوق تمہاری طرف اس قدر رجوع ہوگی کہ تمہیں فرصت بھی نہ ملے گی۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ کی اہلیہ محترمہ درود پاک کی کثرت سے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ سے مشرف تو ہوتی ہی تھیں خود حاجی صاحب قبلہ نے بھی کئی ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دیدار خواب میں فرمایا اور سرکار نے آپ کے دہن مبارک میں لعاب دہن ڈالا جسے حاجی صاحب نے رغبت سے تناول فرمایا۔ سرکار کی زیارت اور لعاب دہن تناول فرمانے کے واقعہ کا ذکر حضرت امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے جو انہوں نے حاجی صاحب کی خدمت میں

ان کے خط کے جواب میں مکہ معظمہ سے دیوبند ارسال کیا تھا۔ وہ خط فارسی زبان میں ہے جس کا ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کیا ہے وہ ترجمہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

"فقیر امداد اللہ عفی عنہ سے بخدمت بابرکت عزیز حاجی سید عابد حسین صاحب زاداللہ عرفانہ۔ بعد سلام مسنون و اشتیاق ملاقات کے واضح رائے عزیز ہو کہ نامہ عقیدت و محبت اسلوب ہزاراں ہزار شوق کے ساتھ موصول ہوا اس جانب کی محبت کو جس نے دوبالا کر دیا اس کی مندرجہ کیفیت سے آگاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آں عزیز کو اس عقیدت و محبت کے ساتھ سلامت رکھے اور روز بروز زیادہ کرے اور اسی پر قائم رکھے اور ہمارا تمہارا خاتمہ اسی پر کرے آمین۔ اور آں عزیز کے احوال کی ترقی سے معلوم ہونے سے شکر بجالایا گیا اور زیارت آنحضرت کی خواب میں مبارک ہو اور آنحضرت کے لعاب دہن سے مراد علم و معرفت ہے جس قدر کہ آں عزیز نے اس کو رغبت سے کھایا ہے اسی قدر نعمت عرفانی حاصل ہوگی اور جو کچھ کراہیت کر کے ڈال دیا ہے وہی نقصان خیال ہے دوسرے وہ کہ لعاب دہن آنحضرت کے علوم دین و علمائے حقانی کہ ورثائے انبیاء ہیں مراد ہیں۔ چاہیئے کہ ان سے محبت قلبی رکھیں بہ سبب علوم دین کے اگرچہ ان سے بتقاضائے بشریت بعض نامناسب امور صادر ہو جائیں اس کو حکمت کے حوالے کریں اور اپنے کو قصور وار جان کر تواضع قلبی سے پیش آئیں۔ اور امور دین میں ان کی تابعداری کو اپنے اوپر لازم سمجھیں اور کراہت سے انکار نہ کریں اور منادی کرنے سے مراد مریدوں اور آپ کے عقیدت مندوں کی ہدایت ہے کہ ان کو تعلیم کرتے رہیں اور

اشغال باطنی سے اپنے کو معطل نہ چھوڑیں۔ [1]

حاجی سید محمد عابد حسین کو اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ تھا جس کا اظہار اکثر وبیشتر آپ کی گفتگو کے دوران ہوتا تھا اور جب کوئی آپ کے سامنے آپ کے پیر و مرشد کا ذکر چھیڑتا تو فرطِ مسرت سے جھوم جایا کرتے تھے جس وقت آپ کے شیخ میاں کریم بخش کا وصال ہوا اور اس کی خبر آپ کو ہوئی تو ہجوم غم سے آپ کا کلیجہ پھٹ گیا اور شدت غم سے ایسی بے کیفی طاری ہوئی کہ گھر کا سارا سامان غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور حسرت و یاس میں ڈوب کر اظہار تاسف کے لئے ایک کمبل اوڑھ لیا اور ایک لنگی پہن لی اور پھر کافی دنوں تک اور بقول بعض زندگی بھر اسی لباس میں ملبوس رہے جب کچھ غم دور ہوا تو مسجد چھتہ کے حجرے سے باہر نکلے دہلی کا سفر کیا۔ کرنال اور پانی پت بھی گئے اور حضرت میاں راج شاہ جو ہریانہ میں سلسلۂ قادریہ کے اہم مشائخ میں سے تھے ان کی خدمت میں بھی حاضری دی اور اکتساب فیض کیا میاں راج شاہؒ کی خدمت میں حاضری دینے سے انتہائی قلبی سکون میسر ہوا اور شیخ و مرشد کے سانحۂ ارتحال سے جو غم لاحق ہوا تھا وہ دور ہوا اسی وقت میاں راج شاہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی دولت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ [2]

اس سفر سے واپسی کے بعد جب دیوبند لوٹ کر تشریف لائے تو حاجی صاحب کی مقبولیت میں کئی گنا اضافہ ہوا خلقِ خدا فیض و برکت حاصل کرنے کے لئے آپ پر ٹوٹ پڑی اپنی جائز تمنا لے کر آپ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوتا اس کی تمنا ضرور پوری ہوتی مولوی نذیر احمد دیوبندی مصنف تذکرۃ العابدین لکھتے ہیں۔

---

[1] مرقومات امدادیہ ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی مطبوعہ دہلی ۱۹۷۹ء (مکتبہ برہان)

[2] ملت راج شاہی ص۱۹۶

"تمام مخلوق خدا آپ کی طرف متوجہ ہوگئی اور آپ سے کرامتیں پے در پے ظہور میں آنے لگیں۔ آپ نے جس کی نسبت جو کچھ بھی فرمایا ہوگیا۔" ؎

حاجی صاحب کو زیارتِ حرمین شریفین کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔ جس وقت آپ نے پہلا حج پیدل چل کر ادا کیا اس وقت آپ کی عمر بہت ہی کم تھی دوبارہ سفرِ حج کے دوران جب آپ بمبئی تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات حضرت شاہ محمد قادری مدراسی سے ہوگئی حضرت شاہ صاحب مجذوب صفت بزرگ تھے انھوں نے حاجی صاحب پر توجہ ڈال کر جو کچھ اپنے پاس تھا حضرت حاجی صاحب کو عطا فرما دیا ساتھ ہی خلافت کی انمول دولت سے بھی آپ کو نوازا۔ جب حاجی صاحب سفرِ حج سے واپس وطن تشریف لائے۔ تو یہ تمام واقعہ حضرت میاں جی صاحب سے بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میری محنت وصول ہوگئی اس ابدال نے بھی میری تصدیق کردی اور فرمایا امانت امین ہی کے پاس رکھی جاتی ہے۔

۱۲۸۲ھ میں جب آپ تیسری بار حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے کئی ماہ مدینہ طیبہ میں قیام کیا جب واپسی کا ارادہ ہوا تو آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات ہوگئی۔ کچھ روز کے بعد جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو وہاں سید الطائفہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ سے بیعت کی حضرت حاجی صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں مزید کچھ روز قیام کرنا چاہتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ ہندوستان کو خالی مت چھوڑو مسجد اور مدرسہ تمہارے

؎ تذکرۃ العابدین ص۳۶

بغیر تعمیر نہ ہوگا اس کو مکمل کرو اور دوسری شادی بھی کر لینا۔

حاجی صاحب خوش عقیدہ مسلمان تھے انبیاء و مرسلین اور صحابہ و تابعین کی الفت و محبت سے آپ کا سینہ بے کینہ تو سرشار تھا ہی بزرگانِ دین کی عقیدت آپ کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی ختم خواجگان بھی فرماتے اور زرِ کثیر خرچ کر کے میلاد شریف کا بھی اہتمام شایانِ شان فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کے ہر ہفتہ کا معمول تھا۔ گویا آپ سلف صالحین کی روش پر پوری طرح گامزن تھے۔ حاجت مندوں اور پریشان حال لوگوں کی فریاد رسی آپ کا محبوب شیوہ تھا۔ اس کے لئے بعد نماز ظہر آپ اپنا دروازہ کھول دیتے تھے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ افراد کی آپ کی بارگاہ میں کوئی تمیز نہ تھی۔ سب سے آپ پیار و محبت اور خلوص و مودت سے پیش آتے۔ کسی کو دعائیں دیتے اور کسی کو تعویذ، جیسی جس کی حاجت اور ضرورت ہوتی اسی طرح آپ اس کی مدد فرماتے بعد نماز مغرب پھر آپ اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے سوانح نگار رقم طراز ہیں۔

"بعد نماز مغرب نوافل و ختم خواجگان وغیرہ سے فراغ حاصل کر کے جو کوئی مرید یا مہمان ہوتا اس سے باتیں کرتے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب مولود شریف کی محفل کا اہتمام کرتے اس میں بہت زرِ کثیر صرف کرتے تھے اور تازیست ہمیشہ کراتے رہے"[1]

حاجی صاحب کو عبادت و ریاضت سے حد درجہ شغف تھا اوقات صلوٰۃ کی پابندی تو اس درجہ تھی کہ نماز قضا ہونا تو درکنار مسلسل تیس سال تک جماعت کی تکبیر اولیٰ بھی آپ سے نہیں چھوٹی اور جب سے تہجد کا اہتمام کیا تو پورے ساٹھ سال تک اس پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ سید محبوب رضوی

---

[1] تذکرۃ العابدین ص۲۷

مصنف تاریخ دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

"حضرت حاجی صاحب کا ساٹھ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ رشد و ہدایت اور تذکیر و تزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو فن عملیات میں زبردست ملکہ تھا۔" [1]

آپ کی لکھی ہوئی تعویذیں کس قدر موثر ہوتی تھیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے سے کس طرح پریشاں حال انسانوں کو پریشانیوں سے نجات ملتی تھی اس کا ذکر اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کا ذکر صاحب ارواح ثلثہ نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں

"میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سنا کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے وہ شخص حاجی محمد عابد (حسین) صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے ایک تعویذ دے دو میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے حاجی صاحب نے اس کو تعویذ دے دیا کہ اس کو پگڑی میں رکھ لینا جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا تو اس نے کہا کہ ٹھہر جائیں دیوبند والے حاجی صاحب کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں پھر پوچھنا ڈپٹی صاحب اس پر ہنسے کیونکہ وہ عملیات کے معتقد ہی نہ تھے۔ جب وہ تعویذ لے آئے تو ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھ کیا پوچھے ہے۔ اور دیکھ حاجی

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند (۲ - ۲۲۲)

صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (پگڑی دکھلادی) ڈپٹی صاحب نے وہ مقدمہ قصداً بگاڑا لیکن جب یہ فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں معذرت کو حاضر ہوئے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر ہوتا ہے بعض اوقات جب معمول پر اس کا اثر رہتا ہے تو دماغ صحیح نہیں رہتا جب دماغ صحیح نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں"۔ لہ

حاجی عابد حسین صاحب دیوبند کی ان مقتدر اور محترم ہستیوں میں سے تھے جن پر اہل دیوبند کو ناز تھا آپ کی عظمت و بزرگی کے معترف تمام باشندگان دیوبند تھے بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک کے دل میں آپ کی محبت یکساں تھی۔ ہندو مسلم سبھی آپ کے فیوض و برکات کے طلبگار رہتے۔ خلق خدا میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ انوار الحسن شیر کوٹی کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"آپ کی بزرگی کا سکہ دیوبند کے ہر خورد و کلاں مرد و عورت، بچے اور بوڑھے کے دل پر تھا ان کے روحانی فیض نے دیوبند اور اطراف و جوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کو بھی مسخر کر رکھا تھا"۔ ٢ہ

مولوی اشرف علی تھانوی بھی آپ کی عظمت و جلالت قدر کے بڑے قدر داں تھے انھوں نے جو منظوم خراج عقیدت آپ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے اس سے آپ کی روحانی عظمت کا صحیح طور سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ماہنامہ "القاسم" دار العلوم نمبر میں مثنوی "زیر و بم" کے حوالے سے مرقوم ہے۔

لہ ارواح ثلثہ صــ ۳۹۳

٢ہ انوار قاسمی (۱: ۲۵۰)

عامل و کامل ولی، مردِ خدا — پائے او در پائے فخرِ انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی شانِ او — کان حلم و مخزن خلق نکو
نقش و تعویذش مثال نقش قدر — فیض او بر خاص و عام مثل بدر[1]

حاجی صاحب کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کا فیضان ضرور حاصل تھا مگر وہ طالبین کو سلسلہ قادریہ میں مرید فرمایا کرتے تھے اور بمشکل تمام آپ نے بیعت وارشاد کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا آپ کی عظمت کو دیکھ کر لوگ آپ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کرتے مگر آپ انہیں بیعت نہیں کرتے آپ کی روحانی عظمت کے پیش نظر آپ کے پیرومرشد نے بھی بیعت وارشاد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو آپ کے پاس بھیجنا شروع کر دیا مگر بجائے داخل سلسلہ کرنے کے آپ چھپ جاتے جب اس کی اطلاع آپ کے پیرومرشد کو ہوئی تو انہوں نے آپ کو بہت سمجھایا۔ مرشد کا حکم کیونکر ٹالا جاتا آپ مان گئے اور پھر بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع ہوا تو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزارہا افراد آپ کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوئے۔ اس تعلق سے تھوڑی تفصیل سطور بالا میں گذر چکی ہے۔ چونکہ حاجت مندوں کو تعویذ اور نقوش بھی دیتے تھے اس لئے ضرورت مند، پریشان حال لوگوں اور معتقدین و مریدین کی آپ کی بارگاہ میں ہمیشہ بھیڑ رہتی۔ حکیم سید عبدالحئی لکھتے ہیں۔

"ارباب حوائج اکثر ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں صبح سے رات دس بجے تک نقوش اور تعویذ تقسیم کرتے ہیں۔ ساکنین دیوبند ان کے بہت معتقد ہیں۔"[2]

---

[1] القاسم دارالعلوم نمبر محرم ص۱۹ ۱۳۴۷ھ

[2] دہلی اور اس کے اطراف ص۸۰

حاجی صاحب کو چونکہ حضرت میاں راج شاہ قادری علیہ الرحمہ سوندھ شریف ہریانہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت تفویض ہوئی تھی، اس لئے آپ بھی مرید کرتے وقت سلسلہ قادریہ کے طالبین کو وہی شجرۂ طریقت دیتے تھے جو آپ کو حضرت میاں راج شاہ سے ملا تھا اور روزانہ اسے بطور وظیفہ مریدین کو پڑھنے کی تلقین بھی کیا کرتے تھے وہ شجرۂ طریقت آپ کے خلیفہ مولوی نذیر احمد دیوبندی نے اپنی کتاب تذکرۃ العابدین میں ان الفاظ میں درج کیا ہے

شجرۂ خاندانِ قادریہ عابدیہ رضوانُ اللہ علیہم اجمعین

از محمد عابد و ہم راج خاں و اسمعیل — ہم غلام بدر دیں فاخر محمد متقی
شاہ یحییٰ فضل و ہم سید محمد ہم جمال — ہم ضیاء شیخ محمد ہم براہیم ولی
شہ بہاء الدین احمد حضرت سید حسن — شاہ موسیٰ ہم علی باتقا و مرشدی
بو محمد شاہ احمد حضرت عالیجناب — عبدرزاق عبد قادر بوسعید مولوی
بوالحسن بوفرح عبدالواحد و بوبکر — ہم جنید و سری و سقطی و کرخی سرمدی
ہم رضا ہم کاظم و ہم جعفر و باقر امام — شاہ زین العابدین ہم شہ حسین ابن علی
وز علی مرتضےٰ و ہم محمد مصطفےٰ — پاک گرداں سینہ ام از جملہ امراض و لیٰ[1]

وصال سے قبل حاجی صاحب کو عارضۂ بخار لاحق ہوا اور سینے میں تکلیف ہوئی آپ نے علاج کی طرف توجہ بھی فرمائی مگر ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

۲۷ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء کو زیادہ طبیعت خراب ہوگئی اور جب دن کے چار بج گئے تو آپ نے کسی حاضر باش سے دریافت کیا کہ کیا بجے ہیں ؟

---

[1] تذکرۃ العابدین ص ۳۰ دہلی ۱۳۳۳ھ

جواب ملا کہ چار بجے ہیں آپ نے عصر کی نماز کے لئے کانوں پر ہاتھ رکھا اور پھر ہمیشہ کے لئے یادالٰہی میں غرق ہوگئے ۔ مدار المہام بہشت بریں" مادہ سنہ وفات ہے۔

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ گیارہ بجے کے قریب مزار رشید احمد صاحب میں دفن ہوئے آپ کے مزار مقدس کے سرہانے جو کتبہ لگا ہے اس پر جلی حرفوں میں یہ عبارت کندہ ہے۔

" یہ مزار حاجی سید محمد عابد حسین بانی دارالعلوم (دیوبند) کا ہے ۔"

حضرت حاجی عابد حسین کی وفات حسرت آیات پر منشی محمد ابراہیم دبیر نے درج ذیل قطعہ قلمبند کیا ۔

سن کر وفات عابد پرہیز گار کی — لاکھوں نے نبضیں چھوڑ دیں لاکھوں میں دم نہیں
دیکھو نہ دیکھو چار طرف اب جہان میں — ایسا بشر نہیں کہ جسے ان کا غم نہیں
وہ دل نہیں کوئی کہ جو محو الم نہ ہو — آج ایسی ایک آنکھ نہیں جس میں نم نہیں
ہے ہے دم سفر نہ کہا ان سے ایک نے — خالی بزرگ لوگوں سے ملک عدم نہیں
اپنا یہ قصبہ چھوڑ کے جاتے ہیں کس لئے — کیا دیوبند غیرت باغ ارم نہیں
اخبار ہائے ہند کے کالم سیاہ ہیں — افسوس ان کی موت کا کیا کچھ رقم نہیں
ہر وقت کہتے رہتے ہیں سال وفا آہ — کرتے کچھ اور کام اب اہل قلم نہیں

سال وفات تو بھی اب لکھ دے اے دبیر
فوت آہ یہ وفات سے ولیوں سے کم نہیں

ایک اور اہل عقیدت نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھ کر آپ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے ۔ ؎

کیا کہوں صدمہ ہوا کیسا مرے دل کو فراغ — یہ خبر جس دم سنی دنیا سے عابد اٹھ گیا
مصرعہ تاریخ یہ نکلا ب افسوس سے " مسجد چھتہ کا عابد اور ساجد اٹھ گیا"

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے جب یہ مقالہ جہان رضا لاہور میں شائع ہوا تو اس مقالہ نے کئی اہل علم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کئی ایک دانشوروں نے اپنے تاثراتی بیانات ایڈیٹروں کے نام ارسال کئے جناب طارق سلطان پوری (حسن ابدال) کا شمار پاکستان کے نامور شعراء میں ہوتا ہے انھوں نے بانی دارالعلوم دیوبند کی عظمت وجلالت قدر کا اعتراف قطعہ تاریخ وصال لکھ کر کیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے موصوف کا قطعہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

پیکر صدق وصفا وصاحب عرفان وعلم — مرد حق عابد حسین عالی مقام ونامور
آج ہے دیوبند کا مشہور جو دارالعلوم — اس کا بانی تھا حقیقت میں وہ مرد حق نگر
اہل حق کے ہیں جو اعمال وعقائد مستند — کاربند ان پر تھا وہ مخدوم ارباب نظر
صاحب کشف وکرامت، عالم کامل ولی — نقش پُر تاثیر تعویذات اُس کے پُر اثر
قائل نذر ونیاز ومحفل میلاد تھا — اس کے محبوب عترت واصحاب شاہ بحر وبر
للہیت، پاکبازی کا وہ پیکر دیدہ زیب — خوش عقیدہ، وہ محب عاشق خیر البشر
صاحب کیف حضوری تھا بہ تکثیر درود — خوش عقیدہ تھا وہ پاکیزہ دل وروشن نظر
خود ولی اور اولیائے پاک کا اخلاص مند — رام پور سے اسے حاصل ہوا فیض نظر
نام امداد اللہ تھا جس کا قسیم فیض فقر — اس کے خوان فقر وعرفاں سے ہوا وہ بہرہ ور
راج شاہ سے قادری نسبت بھی حاصل تھی اسے — کیا کشادہ ظرف رکھتا تھا وہ عبد خوش سیر
اس نے ڈالی تھی بنا جس مرکز تعلیم کی — آج ہے وہ اس کے مسلک کے مخالف سمت پر
اپنے بانی کے عقائد سے ہوا وہ منحرف — سینہ سوز ودل شکن یہ سانحہ ہے کس قدر
عاشق سرکار ربانی، یہ ہے گستاخ حضور — واقعی منظر ہے یہ افسوسناک وتلخ تر
داد کا ہے مستحق تحسین کا حقدار ہے — آشکارا کردی انجم نے حقیقت مستتر
تربت "عابد"، پہ گوہر بار ہو تا روز حشر — ابر لطف وبارش نور خدائے بحر وبر

مجھ سے ہاتف نے کہا از روئے بندہ پروری
اس کا سال وصل ہے "شمس بصیرت دیدہ ور" [1]

---

[1] جہان رضا لاہور ص ۲۵، اگست ۱۹۹۵ء

دارالعلوم دیوبند
کا
اصل بانی کون

دارُالعُلوم دیُوبنَدکا

کَا

اصل بانی کون

دارالعلوم دیوبند اور اس کے بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور دینی و تبلیغی سرگرمیوں پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد کشفِ حقائق کے طور پر اب دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ہے کے عنوان سے ٹھنڈے دل کے ساتھ اس بحث کا مطالعہ کیا جائے جس کے اخبار میں چھپتے ہی حلقۂ دیوبندیت میں کھلبلی مچ گئی اور اس حلقہ کے ایں قدر اور آں قدر سب اظہار برہمی کرتے ہوئے ہاتھ دھو کر راقم الحروف کے پیچھے پڑ گئے۔

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی سلسلۂ قادریہ کے عظیم بزرگ حاجی سید محمد عابد حسین علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں لیکن موجودہ دیوبندی مکتب فکر سے اُن کے عقائد و نظریات متصادم تھے۔ اُن کا عقیدہ اُس دور میں وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانہ میں امام اہلسنّت حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلفاء اور متبعین ہیں۔ اِس لئے ان کے نام پر پردہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے انھیں گوشۂ خمول میں ڈال دیا گیا اور اصل بانی کی حیثیت سے مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) کا نام مشہور کر دیا گیا یہی وجہ ہے کہ وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ اپنے نام کے ساتھ "قاسمی" لکھتے ہیں۔ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی

ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی ہیں نہ کہ حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ۔

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کی حیثیت سے تین لوگوں کا نام لیا جاتا ہے (۱) حاجی سید محمد عابد حسین (۲) مہاجر مکی امداد اللہ (۳) مولوی محمد قاسم نانوتوی۔ لیکن اس ادارے کے اصل بانی کون ہیں اس تعلق سے دلائل و شواہد سے مربوط تفصیلی گفتگو ذیل میں کی جارہی ہے۔

علم کی نشر و اشاعت کے تعلق سے حاجی سید محمد عابد حسین نے ایک خواب دیکھا اس خواب کا ذکر "تذکرۃ العابدین" کے مصنف مولوی نذیر احمد دیوبندی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

"حاجی صاحب ایک بار چلے میں تھے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا صبح ہوئی تو آپ نے مولوی فضل الرحمٰن کو بلایا اور فرمایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے کوئی تدبیر کرو کہ علم دین قائم رہے جب یہ رانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا نہ رہے گا۔ اسی وقت آپ نے اپنے ہمنواؤں سے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو آپ تدبیر فرمائیں ہم کو منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چندہ کرکے مدرسہ قائم کرو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور روپئے بھی سامنے رکھ دیئے اور فرمایا کہ انشاء اللہ ہر سال یہ چندہ دیتا رہوں گا۔ اسی وقت موجودہ لوگوں نے بھی چندہ دیا حاجی صاحب مسجد سے باہر نکلے چونکہ حاجی صاحب کسی کے گھر نہیں جاتے تھے اس لئے چندہ کے سلسلے میں جس کے بھی گھر گئے سب نے اپنا فخر سمجھا اور چندہ لکھ دیا۔ اس طرح شام تک قریب چار سو روپئے جمع ہوگئے۔ اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے مولوی محمد قاسم نے جواب میں لکھا۔

"میں بہت خوش ہوں خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ

روپئے ماہوار تنخواہ مقرر کرکے بھیجتا ہوں اور میں مدرسہ مذکورہ میں ساعی رہونگا۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مصنف نے لکھا ہے کہ "حاجی محمد عابد کی کی مساعی سے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ اس مدرسہ کی بنیاد پڑی اور اس کا نام "مدرسہ عربی وفارسی وریاضی" رکھا گیا حسب پروگرام ملا محمود بحیثیت مدرس تشریف لائے اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہوگیا اس ابتدائی درس وتدریس کا ذکر سوانح قاسمی میں ان لفظوں میں موجود ہے[1]

"سب سے پہلے اس مدرسہ کے مدرس ملا محمود صاحب ہیں اور جائے مدرسہ فرش مسجد چھتہ۔ طالب علم مولوی عبدالعزیز صاحب ہیں"[2]

درس وتدریس کی یہ خبر اس علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی طلبہ حصول علم کے لئے جوق درجوق چھتہ والی مسجد کی طرف ٹوٹ پڑے ایک دن وہ آیا کہ طلبہ کی کثرت کے باعث مسجد چھتہ کی جگہ درس وتدریس کے لئے ناکافی ہوگئی کرایہ پر ایک مکان لیا گیا۔ اور پھر وہاں تعلیم ہونے لگی مگر چونکہ مدرس ملا محمود تن تنہا تھے۔ اور طلبہ ان کے سنبھالے نہ سنبھلتے تھے اس لئے حاجی صاحب نے ادارہ کو باضابطہ شکل دینے کے لئے ایک میٹنگ طلب کی ادارہ کی یہ باضابطہ پہلی میٹنگ تھی جس میں مجلس شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں درج ذیل حضرات مجلس شوریٰ کے ممبر نامزد کئے گئے۔ مولوی محمد قاسم، مولوی فضل الرحمن، مولوی ذوالفقار علی، مولوی مہتاب علی، منشی فضل حق اور حاجی (سید محمد عابد حسین) صاحب خود اہل شوریٰ کے سرپرست مہتمم مدرسہ بلا تنخواہ رہے جب چندہ کی آمدنی زیادہ ہونے لگی تو بحیثیت مدرس مولوی محمد یعقوب کو بریلی سے بلاکر مدرس اول بنادیا اور ایک مدرس فارسی اور قرآن شریف پڑھانے

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول ص ۱۵۵

[2] سوانح قاسمی ص ۲۲۲

کے لئے مقرر کیا۔ مدرسہ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر مولوی ذوالفقار علی بہت خوش ہوئے انہوں نے حاجی محمد عابد کے فضائل و کمالات اور دینی و مذہبی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

،، خدائے تعالیٰ ان (حاجی محمد عابد حسین) کو سحاب کے برسنے اور کتاب کے پڑھے جانے تک باقی رکھے اور امیدوں کی غایات بلندی پر ترقی دے (انہوں نے) اس مدرسہ مقدسہ کی بنیاد قائم کرنے پر الہام کیا واہ کیا مدرسہ ہے جس کی بنیاد طریقہ مستقیم پر رکھی گئی ہے گو یہ چھوٹا شہر اور زمانہ اس کا مددگار نہ تھا مگر خداوند جلیل عزیز، حلیم، حکیم، علیم کی قدرت ہے کہ جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت ممدوح نے اس کار ثواب اور تائید رائے ثواب کے لئے ۱۲۸۲ھ میں پکارا خلقت نے اسے نہایت غور سے کیا اور قبول کیا اور جناب والا کی التماس کا اتباع کیا؛

آنجناب کی سعی مشکور سے علم اور علماء کا ٹھکانہ اور مرجع فضل و پناہ دین و دین داراں بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا آغاز چھتہ والی مسجد میں قائم مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی سے ہوا۔ پھر تعمیر مسجد کے بعد چند سال وہاں بھی جاری رہا لیکن جب مسجد کے حجروں میں درس و تدریس اور قیام طلبہ کی گنجائش دشوار ہوگئی تو ایک مکان متصل مسجد قاضی کرایہ پر لیا گیا مگر یہ کوئی باضابطہ حل نہ تھا اسلئے؛

،، حاجی صاحب نے خود ہی شوریٰ سے کہا کہ مدرسہ کے واسطے زمین خریدنی چاہئے۔ اہل شوریٰ نے کہا اگر آپ کی رائے یہ ہے تو بہتر ہے مگر آپ ہی جگہ تجویز کر کے خرید فرمائیے چند روز کے بعد حاجی صاحب نے جگہ تجویز کر کے خریدی اور اس کا بیع نامہ بھی حاجی صاحب کے نام ہوا۔ اور مولوی رفیع الدین جو مدرسہ کے مہتمم تھے انہیں کے ذمہ مدرسہ کی تعمیر کا اہتمام

سپرد کیا اور ایک لاکھ کی لاگت سے مدرسہ تعمیر ہوا۔ ؎

مدرسہ اور مسجد دونوں کی بنیاد اور تعمیر کے سلسلے میں حاجی محمد عابد نے جو شبانہ روز مساعی کی ہیں اور جن دشواریوں کے ساتھ پیسہ اکٹھا کیا ہے اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا جب تک سرزمین ہند پر دارالعلوم کا قیام رہے گا اس صدقۂ جاریہ کا ثواب حاجی صاحب کی روح پُرفتوح کو پہنچتا رہے گا۔ یہ عجیب اتفاق ہے سرزمین دیوبند کے دونوں بڑے مذہبی مراکز کے بانی حاجی صاحب کی ذات ستودہ صفات ہے۔ ڈاکٹر بصیر احمد خاں ریڈر و سابق صدر شعبہ اسلامیات نئی دہلی اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں

"یہ حسن اتفاق ہے کہ مدرسہ کی ابتداء اور جامع مسجد کی بنیاد ایک ہی سال یعنی ۱۲۸۳ھ میں بڑی اور یہ بھی خاص بات ہے کہ ان دونوں عظیم کاموں کو شروع کرنے کی سعادت حاجی محمد عابد حسین صاحب کو نصیب ہوئی۔" ؎

مدرسہ کے قیام کے سلسلے میں حاجی صاحب نے جس طرح پیسہ اکٹھا کیا اور جس ایمانی جوش و خروش کے ساتھ بندگان خدا کے سامنے اپنا رومال پھیلایا اس کا ذکر مولوی مناظر احسن گیلانی نے منشی فضل حق مصنف "سوانح مخطوطہ (ممبر مجلس شوریٰ)" کے حوالے سے ان لفظوں میں کیا ہے۔

"(حاجی محمد عابد صاحب) ایک دن بوقت اشراق سفید رومال کی جھولی بناکر اور اس میں تین روپئے اپنے پاس سے ڈالے چھتہ کی مسجد سے تن تنہا مولوی مہتاب علی صاحب مرحوم کے پاس تشریف لائے مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپئے عنایت کئے اور دعا کی

؎ تذکرۃ العابدین صفحہ ۵

؎ اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات قلمی صفحہ ۹۷

اور بارہ روپئے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپئے اس مسکین (یعنی سوانخ) مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق صاحب دیوبندی) نے دیئے۔ وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی صاحب کے پاس آئے مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپئے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے ان کی طرف سے بھی بارہ روپئے عنایت کئے وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت (حاجی محمد عابد) محلہ ابوالبرکات پہونچے۔ دوسو روپئے جمع ہوگئے اور شام تک تین سو روپئے پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا اور جو پھل پھول اس کو لگے ظاہر ہیں۔ یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا اور مدرسہ ۱۵ ارمحرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ [۱]

حاجی سید محمد عابد حسین کی شخصیت دیوبند میں بڑی مقتدر تھی مذہبی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا باشندگان دیوبند انھی خوبیوں کی بنا پر ان کا بڑا احترام کرتے تھے اس لئے مدرسہ کا قیام اور اس کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں ان سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہیں ہوسکتا تھا ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے لکھا ہے۔

"مدرسہ دیوبند کو سلطانِ روم بھی بغیر حاجی محمد عابد صاحب کی مدد کے نہیں چلا سکتا۔" [۲]

بہرحال جب باضابطہ طور پر الگ ایک مدرسہ کی تعمیر ہوگئی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شاہراہ ترقی پر چل پڑا تو حاجی صاحب نے مدرسہ کا

۱۔ سوانح قاسمی ص۲۵۸

۲۔ سوانح قاسمی ص۲۵۳

اہتمام مولوی رفیع الدین کے سپرد کر دیا اور خود اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے۔ لیکن جب مولوی رفیع الدین ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا تو ایک بار پھر مدرسہ کے اہتمام کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہزار تتبع اور تلاش کے باوجود ایسا کوئی شخص دیوبند میں نہ مل سکا جو اس ذمہ داری کو بطور احسن انجام دیتا تو شوریٰ کی نگاہیں ایک بار پھر آپ کی طرف مرکوز ہوئیں۔ اس موقع سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں حاجی محمد عابد حسین کے دوبارہ مہتمم بننے کا اعلان تھا۔ یہ اشتہار ۲۳ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ کو شائع ہوا جس میں درج ذیل حضرات کے دستخط تھے۔ العبد رشید احمد گنگوہی، العبد محمد ضیاء الدین رام پوری، العبد مشتاق احمد دیوبندی، العبد ذوالفقار علی دیوبندی العبد محمد فضل الرحمٰن دیوبندی، العبد محمد فضل حق دیوبندی۔

اشتہار میں جو عبارت درج ہے اس سے اگر ایک طرف ان کو مدرسہ کے اہتمام والنصرام کی ذمہ داری تفویض کرنے کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس ادارہ کے بانی اور مجوز اول خود حاجی صاحب ہی ہیں۔ اشتہار کی عبارت یہ ہے:

" جملہ خیر خواہان مدرسہ کو بسبب روانگی مولوی رفیع الدین صاحب نہایت تشویش پیش آئی ناچار بجز اس تجویز کے کوئی چارہ بن نہ پڑا کہ مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت سید محمد عابد صاحب دام برکاتہ جو بانی و مجوز اول مدرسہ ہذا و حامی و سرپرست و سرآمد ارباب مشورہ ہیں اور اول اول ایک عرصہ دراز تک مہتمم مدرسہ رہے ہیں حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ جناب والا پھر اس کام کو انجام دیں بحمد اللہ کہ سید صاحب ممدوح نے بنظر حمایت دین متین و خوشنودی رب العالمین و خرسندی روح پرفتوح حضرت سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین نے اس عرض کو

قبول فرمایا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔ [1]

اس واضح اور روشن حقیقت کے باوجود ہمارے بعض تاریخ نویسوں نے تعصب سے کام لیا ہے اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اصل تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے مجھے افسوس ہے پاکستان کے مشہور دانشور پروفیسر ظہور احمد اظہر پرجن کا ایک تحقیقی مقالہ "دیوبندی" کے عنوان سے "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" کی جلد ۹ میں شامل ہے۔ اپنے اس تحقیقی مقالہ میں حقائق پر دبیز چادر ڈالتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے۔

"اس دارالعلوم کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء کو دیوبند کی ایک قدیم مسجد چھتا میں مشہور عالم دین مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء تا ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) نے چند اہل فضل وتقویٰ بزرگوں کے تعاون اور مشورے سے رکھی تھی جن میں سے مولانا فضل الرحمٰن عثمانی (جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد تھے) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی اور حاجی عابد حسین کے نام قابلِ ذکر ہیں"۔ [2]

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں دارالعلوم کی بنیاد پڑی اس زمانے میں مولانا نانوتوی دیوبند میں ہی نہیں تھے تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مولانا نانوتوی میرٹھ اور دہلی میں رہے اس کے بعد کسی سنہ میں دیوبند پہنچے اور مدرسہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔ نانوتوی صاحب کو بانی بنانے کی سازش ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۵ء کے بعد رچی گئی کیونکہ اس سے پہلے دارالعلوم کی کسی روداد میں مولانا قاسم نانوتوی

---

[1] تذکرۃ العابدین ص۴۳

[2] دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۹ ص۶۲۱

کا نام بانی کی حیثیت سے نہیں ملتا۔ بہر حال انھوں نے جب بھی سرپرستی قبول کی اس سے بحث نہیں اتنا طے ہے ان کی سرپرستی نے مدرسہ دیوبند کو بام ثریا پر پہنچادیا۔ مولوی محمد یعقوب جو اس مدرسہ کے مدرس اول مقرر کیئے گئے انہوں نے مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حالات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے یہی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے شروع میں مدرسہ کی تجویز رکھی تھی اس میں حاجی محمد عابد حسین کا نام سرفہرست ہے اس دینی امور میں مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی بھی ان کے شریک کار تھے اصل عبارت درج ذیل ہے۔

مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی صاحب اور حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں تنخواہ پندرہ روپئے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا مولوی محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں دیوبند آئے اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔ [1]

مولوی محمد قاسم کی دیوبند میں آمد کے بعد مدرسہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور ایک دارالعلوم کا نقشہ جو اُن کے ذہن ودماغ میں تھا اسے پیش کیا اور اسی ڈھرے پر مدرسہ کو چلانے کی راہ ہموار کی جس جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ شیخ محمد اکرام نے موج کوثر میں ان کی ان خوبیوں کا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ مدرسہ دیوبند کے اصل بانی نہ تھے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام رقمطراز ہیں:

---

[1] حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم صاحب ص۲۲

"مولانا محمد قاسم نانوتوی مدرسہ دیوبند کے اصل بانی نہ تھے لیکن مدرسہ کو ایک شاندار دارالعلوم بنانے کا خیال آپ کا تھا۔ جن قابل عزت بزرگوں نے اس مدرسے کو شروع کیا شاید ان کا منتہائے مقصود ایک مکتب سے زیادہ نہ تھا جو جامع مسجد کی سہ دریوں میں بھی جاری رہ سکتا تھا۔ لیکن مولانا محمد قاسم نے شروع ہی سے اپنا تخیل بلند تر رکھا اور مدرسہ کی بنیادیں اس قدر وسیع اور بلند رکھیں کہ ان پر دارالعلوم کی عالی شان عمارت تعمیر ہوسکی۔" ؎

مدرسہ کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین ہیں مگر اس مدرسہ کو ترقی دے کر دارالعلوم کی شکل دینے میں مولوی محمد قاسم نانوتوی کی خدمات کو بھی ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا ٹھیک اسی طرح جس طرح سرسید نے علی گڑھ میں "مدرسۃ العلوم" کی بنیاد رکھی اور ان کے رفقاء نے اپنے شبانہ روز مساعی سے اسے کالج اور پھر یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کیا مگر اس کے باوجود بھی موجودہ یونیورسٹی کا بانی سرسید ہی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ "دارالعلوم دیوبند" اسی مدرسہ عربی، فارسی وریاضی کی ترقی یافتہ شکل ہے جس کی بنیاد ۱۲۸۳ھ میں حاجی محمد عابد حسین نے ڈالی تھی پھر انہیں دارالعلوم دیوبند کا بانی کیوں کر تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے جس پر ارباب حق کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے جو معاصر شواہد ہیں ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حاجی صاحب میلاد و فاتحہ اور بزرگان دین کی نذر و نیاز کے قائل تھے اس لئے ان کا نام پردۂ خمول میں ڈالا گیا اور میر کارواں کی حیثیت سے مولوی محمد قاسم نانوتوی ابھر کر سامنے آگئے۔

؎ موج کوثر ص ۲۰۰

مدرسہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی واحد وجہ نیتوں کا فتور اور نفسانیت کا دخل تھا۔ حاجی صاحب نے اس کی بنیاد خلوص وللّٰہیت پر رکھی تھی لیکن جب مولانا محمد قاسم نانوتوی اس ادارہ سے وابستہ ہوئے تو وہ خلوص وللّٰہیت جس پر مدرسہ کی بنا تھی وہ مفقود ہوتی نظر آئی اور حاجی صاحب اور دوسرے اراکین ادارہ کے نظریات وخیالات باہم متصادم ہونے لگے اور جس مقصد کے لئے ادارہ قائم ہوا تھا عملی طور پر اس سے کوسوں دور چلا گیا تو حاجی محمد عابد حسین صاحب نے مکمل طور پر مدرسہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ تذکرۃ العابدین کے مصنف لکھتے ہیں۔

"چونکہ لوگوں کے دلوں میں خلوص نہیں رہا اس لئے اختلافات رونما ہوتے رہے نتیجہ یہ ہوا ایک وقت وہ آیا کہ آپ مدرسہ کے کاروبار سے علیحدہ ہوگئے اور فرمایا کہ اب للّٰہیت نہ رہی بلکہ نفسانیت آگئی۔ فقیر کو ان سب باتوں سے کیا غرض"[1]

سطور بالا میں حاجی صاحب نے جس نفسانیت کا ذکر کیا وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس مدرسہ کے ذریعہ اسلام کی حقانیت وصداقت کی نشرواشاعت کا جو اہم فریضہ انجام دینا چاہتے تھے اس سے مدرسہ کے دوسرے اراکین متفق نہ تھے ان حضرات کا نقطۂ نظر بالکل جداگانہ تھا وہ اس مدرسہ کو انگریز حکومت کی رضا ومنشا کے مطابق چلانا چاہتے تھے کیونکہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی یعقوب علی حکومت وقت کے زبردست بہی خواہ تھے مدرسہ کی صدر مدرسی قبول کرنے سے قبل وہ کئی شہروں میں انگریز گورنمنٹ میں ڈپٹی انسپکٹر

---

[1] تذکرۃ العابدین ص۶۷

آف اسکول کے فرائض انجام دے کر اپنے حسن کارکردگی سے انگریزوں
کی نظر میں محبوب بن چکے تھے اپنے اسی کامیاب تجربہ کی روشنی میں اس
مدرسہ کو اسی روش پر لے جانا چاہتے تھے جو انگریز حکومت کے عین
منشاء کے مطابق تھا اس لئے ان کے خیالات کا حاجی محمد عابد کے خیالات
سے متصادم ہونا ناگزیر تھا۔ اور مولوی محمد یعقوب علی ہی کیا جتنے لوگ اس
مدرسہ سے وابستہ ہوئے اس میں اکثر لوگ انگریزی حکومت کے
وظیفہ خوار تھے اور ان کے دور حکومت میں اہم عہدوں اور مناصب
پر فائز تھے۔ شیخ الہند مولوی محمود الحسن دیوبندی (م ۱۹۲۰ء) کے والد ماجد
مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۹۰۴ء) ایک عرصہ تک بریلی کالج میں
مدرس رہے پھر ڈپٹی انسپکٹر مدارس بنائے گئے اور اسی عہدہ سے ریٹائر
ہوئے۔ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی (م ۱۹۴۹ء) کے والد ماجد مولوی
فضل الرحمٰن دیوبندی (م ۱۸۹۱ء) بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ
سے ریٹائر ہوئے ۱۸۵۷ء میں اسی عہدہ پر جلوہ افروز تھے مدرسہ دیوبند
کے پہلے صدر مدرس مولوی محمد یعقوب علی بھی انگریزی دور حکومت میں
سرکاری ملازم تھے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں۔

"جب ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ اسلامیہ دیوبند قائم ہوا تو مولانا محمد
یعقوب صدر مدرس مقرر ہوئے اس وقت مولانا محمد یعقوب سرکاری
ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔"[1]

مولوی محمد یعقوب کی تقرری کہاں تھی اور انہوں نے اپنی ذمہ داریاں
کس طرح نبھائیں۔ اس کی وضاحت پروفیسر محمد ایوب قادری
نے ان لفظوں میں کی ہے۔

---

[1] مولانا احسن نانوتوی ص ۱۹۲

" مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی اجمیر کالج میں مدرس مقرر ہوئے پھر بنارس، بریلی اور سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔" [1]

ہنگامۂ غدر ۱۸۵۷ء کے موقع پر بھی مولوی محمد یعقوب بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے عہدہ پر جلوہ فگن رہے۔ اہلِ حدیث عالم مولوی عبدالخالق قدوسی لکھتے ہیں۔

" قیامِ مدرسہ کے بعد سب سے پہلے صدر مدرس کی حیثیت سے جس شخص کا تقرر ہوا وہ مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ بزرگ بھی ۱۸۵۵ء کے وقت اسی عہدہ پر فائز تھے۔" [2]

انگریزی دورِ حکومت کے یہ وظیفہ خوار ملازمین حاجی محمد عابد حسین کے لگائے ہوئے چمنستانِ علم و حکمت پر جب پوری طرح قابض ہو گئے اور خلوص و للّٰہیت وہاں سے رخصت ہو گئی تو حاجی صاحب خود ہی اس مدرسہ سے بے دخل ہو گئے پھر میدان خالی پاکر ان انگریز نواز علماء نے اسی طرح مدرسہ کو چلایا جیسا انگریز چاہتے تھے۔ چنانچہ جب ان نام نہاد علماء کو زمامِ اقتدار سنبھالے اور مدرسہ کا انتظام و انصرام دیکھتے ہوئے چند سال گذر گئے تو برٹش گورنمنٹ نے اپنے ان وظیفہ خوار مولویوں کی کارکردگی کا اپنے خفیہ ایجنٹوں سے معائنہ کرایا کہ جس مقصد کے لئے ہمارے یہ علماء مدرسہ چلا رہے ہیں اس میں وہ کہاں تک کامیاب ہیں وہ مقصد حاصل بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ یہ واضح رہے

---

[1] مولانا احسن نانوتوی ص ۳۵

[2] ہفت روزہ الاعتصام لاہور بابت ۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۶

کہ مدرسہ سے وابستہ علمائے کرام کا مقصد اگر خالص اشاعت دین حق ہوتا تو برٹش گورنمنٹ کے زیراہتمام اس کے خفیہ معائنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس معائنہ سے تو اس رچی ہوئی سازش کا پتہ چلتا ہے جو ان علمائے کرام اور برٹش گورنمنٹ کے باہم سمجھوتے سے عمل میں آیا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے عظیم دانشور پروفیسر محمد ایوب قادری کی زبانی رپورٹ پڑھئے۔

" اس مدرسہ نے یومًا فیومًا ترقی کی۔ ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لیفٹنٹ گورنر سر جان اسٹریچی نے اپنے ایک خاص معتمد مسٹر جان پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں۔

" جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپئے کے صرفے سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے[1]

" مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری کا یہ تبصرہ بھی پڑھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔ " گورنر کے خفیہ معتمد کا اچانک معائنہ کرنا آخر کیوں؟ ایک انگریز افسر نے مدرسہ دیوبند کی اور وہاں کی تعلیم و معلمین کی تعریف کیا اس وجہ سے کی وہاں اسلام کی خدمت ہو رہی ہے؟ انگریز خدمت اسلام سے خوش ہوتے تھے یا اس کے استحصال میں سکون محسوس کرتے تھے"[2]

---

[1] مولانا محمد احسن نانوتوی ص۲۱۷

[2] فیضان امام ربانی ص۱۴۸

دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے علمی و دینی خدمات کے نام پر کیا کارنامہ انجام دیا گیا اس کی تفصیل بھی مختصراً پڑھتے چلیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت سے سبکدوش پنشن یافتہ "وفادار" افراد اشاعت دینِ حق میں کس قدر مخلص تھے ان کی ان خدمات کا سرسری جائزہ جناب نوشاد عالم چشتی نے ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرنگی حکومت کے معاون دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستگان افراد نے اسلامیانِ ہند کو دینی اور علمی خدمات کے نام پر کیا دیا تفصیل طلب مسئلہ ہے بطور اختصار عرض یہ ہے۔

۱۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا انکار کیا۔

۲۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب "امکان کذب" یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہونے کا فتویٰ دیا ——— (ملاحظہ کریں فتاویٰ رشیدیہ ص۹۶ مطبوعہ ۱۹۸۷ء، ناشر، گلستان گھر، دیوبند)

۳۔ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں رسالتمآب کے علم پاک کو شیطان سے کمتر ثابت کیا جس کی تصدیق مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی کی۔

۴۔ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو پاگل مجنون جانوروں اور چوپایوں جیسی حقیر اور ذلیل مخلوق سے تشبیہ دے کر رسالتمآب کے علم غیب کی نفی کی۔

۵۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب "تصفیۃ العقائد" میں انبیائے کرام کو مرتکب کذب اور معاصی زدہ ہونا ثابت کیا۔ ۱۹۶۵ء میں مفتی مسعود احمد اور مفتی سید احمد علی سعید صاحبان

نے دارالافتاء دیوبند سے مذکورہ عقیدے پر کفر کا فتویٰ دیا۔ (ملاحظہ کریں ماہنامہ تجلی دیوبند بابت ماہ اپریل ۱۹۶۵ء ص۶۵)

یہی وہ کام ہے جو ہزاروں روپے صرف کر کے نہیں بلکہ کوڑیوں میں انگریز بہادر نے وابستگان دارالعلوم دیوبند سے کرایا تاکہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی روح خوش ہوتی رہے اور مسلمان آپس میں "لڑ بھڑ" کر کمزور ہوتے رہیں"۔ لہ

جہاں انگریز نواز فکر و نظر کے علماء مدرسہ کے منتظم کار ہوں اور ادارہ کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں وہاں دین حق کی اشاعت خالصتاً کیوں کر ہو گی انہوں نے برٹش گورنمنٹ کی حمایت سے اسی طرح ادارہ چلانے کی کوشش کی ہو گی جس سے دینی کاز کو نقصان پہنچے اور امت مسلمہ میں انتشار ہو اس لئے حاجی صاحب کا مدرسہ سے از خود کنارہ کش ہونا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا ہے ان کے مستعفی ہوتے ہی مدرسہ کی باگ ڈور پوری طرح مولوی محمد قاسم کے ہاتھ آئی اور جو نظریاتی جنگ حاجی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی اور ان کے دوسرے رفقاء کے درمیان تھی اقتدار ہاتھ میں آتے ہی سرد پڑ گئی ان دونوں حضرات کے درمیان باہمی اختلاف کیا ہے اس کا ذکر مولانا سید انظر شاہ کشمیری صاحب استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

"الحاج صوفی روشن ضمیر مولانا عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ دارالعلوم کے ابتدائی بانی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ بالکل خالی تھا۔ ایک عظیم درسگاہ جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیۃً حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، نیز ابتدائی آویزشیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب

اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں جن کی محتاط تعبیر شکر رنجی یا مشاجرت ہی سے ہو سکتی ہے میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں کہ عمارت کے مختصر یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا جیسا کہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سنتا رہا مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویزش خالص نظریاتی جنگ تھی میں تفصیلات میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا اس لئے کہ وہ ایک دلخراش تاریخ کا باب ہے لیکن اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا جس کا تعارف اور شہرت عالم اسلام سے گذر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے۔[۱] اختلاف کی بنیادیں کیا تھیں اس کی وضاحت مولانا انظر شاہ نے حاشیہ میں ان الفاظ میں لکھی ہیں۔

سمجھنے کے لئے صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد جہاں سے دارالعلوم کی ابتدا ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب مرحوم کی نشست گاہ یہی مقدس عمارت ہے۔ اس مسجد میں رمضان المبارک کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار میں جاری ہے۔ میں نے کیا لکھا بس اس اجمال میں نکتہ سنج اس ساری تفصیلات کو پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو بچا لیا۔[۲]

مولانا انظر شاہ کے ان فرمودات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حاجی صاحب خوش عقیدہ مسلمان تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ص ۴۹

[۲] ماہنامہ البلاغ کراچی، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ حاشیہ ص ۵۰

سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا ان کی یاد میں میلاد شریف کی محافل منعقد کرتے تھے اور بزرگانِ دین کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ گویا کہ اس دور میں حاجی صاحب کا اعتقاد ان تمام چیزوں پر تھا جسے اس دور میں امام اہلسنت مولانا احمد رضا کا عقیدہ کہا جاسکتا ہے انگریزوں کی ساری سازش مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے اور ان کے دلوں سے محبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت صحابہ و بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کھرچ پھینکنے کی تھی جس کو عملی جامہ پہنانے کا کام دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار علماء انجام دے رہے تھے اس لئے حاجی عابد حسین کے نظریات وعقائد سے ان نام نہاد علماء کے نظریات وافکار کا متصادم ہونا فطری امر تھا۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے اشاعت دین حق میں بالکل مخلص نہیں تھے۔ وہ اس لئے نہیں کہ وہ حاجی عابد حسین کے عقائد و نظریات کے مخالف تھے بلکہ اس لئے بھی کہ جو دوران طالب علمی انہوں نے خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر معتبر کتابوں میں یہی تھی کہ ان کے ذریعہ دین کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ ذیل میں موصوف کا خواب اور تعبیر دونوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

مولوی قاسم نانوتوی مولوی مملوک علی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دوران طالب علمی ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر انہوں نے اپنے استاد مولوی مملوک علی جو تعبیر رویا میں درک رکھتے تھے دریافت کی وہ خواب اور تعبیر دونوں کا تذکرہ "تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند" کے مصنف حافظ محمد اکبر شاہ بخاری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔ وہ مولوی محمد قاسم نانوتوی کے فضائل و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی میں حضرت مملوک علی صاحب سے تعلیم مکمل کی ایام طالب علمی میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ مولوی قاسم نانوتوی نے اپنے استاد مملوک علی صاحب سے اس خواب کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ ؎
علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) کو تعبیر رویا کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ تعبیر رویا کے سلسلہ میں ان کی مشہور زمانہ تصنیف "تعبیر الرویا" کو درجۂ استناد حاصل ہے جب میں نے اس خواب کی تعبیر جاننے کے لئے اس کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا تو معلوم ہوا۔
"جس شخص نے یہ خواب دیکھا کہ اس نے کعبہ اپنے پس پشت کیا ہے اور اس کے سقف (چھت) پر نماز پڑھی تو گویا اس نے اسلام کو اپنے پس پشت ڈال دیا ہے۔
ایک شخص حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فوق کعبہ (کعبہ کی چھت) پر نماز پڑھتا ہوں یہ سن کر سعید نے کہا ڈر اس (خدا) سے میں دیکھتا ہوں کہ تو دین اسلام سے باہر ہو گیا ہے۔" ؎
ارباب علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ جب "کعبہ کی چھت پر نماز" دین سے دوری کا سبب بن سکتی ہے تو کعبہ کی چھت پر محض کھڑا ہونا علم دین بکثرت جاری ہونے کا سبب کیونکر ہو سکتا ہے۔ دار العلوم

۱؎ تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ص۶۱
۲؎ تعبیر الرویا (خواب نامہ) ص۱۷

دیوبند کے علماء اور طلبہ کے نظریات وعقائد اور کردار وعمل کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے جو خواب دیکھا اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو تعبیر بیان کی اسکی یہ حضرات عملی تصویر ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

اشاعت دین حق کے تعلق سے ایک خواب، حاجی محمد عابد حسین کے پیرومرشد میاں جی کریم بخش رامپوری نے بھی دیکھا تھا وہ خواب یہ تھا۔

"آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے اس کے گرد اور بہت سے ستارے ہیں بڑا ستارہ ان کی گود میں آگیا ہے۔ میاں جی نے صبح کو مریدین سے فرمایا کہ مجھ سے کوئی سید بیعت ہوگا۔ متبع سنت ہوگا اس سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا اور وہ بہت سے دینی کام انجام دے گا۔[۱]

جب میں نے اس خواب کی تعبیر کیلئے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تعبیر الرویا، کا مطالعہ کیا تو اس میں واضح لفظوں میں لکھا ہوا ملا۔

"خواب میں ستاروں کا دیکھنا تعبیر میں مراد بزرگ ترین مردم سے ہے"۔[۲]

میاں جی کریم بخش کا خواب نقل کرنے کے بعد شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری کے ایک مرید ڈاکٹر بصیر احمد خاں اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں؛

"چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی اور سید عابد حسین کی ذات گرامی سے عوام وخواص کو بہت فیض پہنچا اور انہوں نے مدرسہ دیوبند جو اب دار العلوم ہے قائم کر کے اور دیوبند کی مسجد تعمیر کر کے زبردست دینی خدمات انجام دیں۔[۳]

---

[۱] تذکرۃ العابدین صـ۱۱ [۲] تعبیر الرویا، صـ۲۳

[۳] اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات واثرات صـ۱۱۳

حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے بھی روحانی فیض حاصل تھا۔ قیام مدرسہ کے سلسلے میں حاجی صاحب کو حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل سر پرستی حاصل رہی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مدرسہ دیوبند حضرت مہاجر مکی کی دعائے سحر گاہی کا نتیجہ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا روحانی فیضان حاجی عابد حسین کے توسط سے دارالعلوم دیوبند کے قیام میں شامل ہے اس کا اعتراف ہر اس شخص کو ہے جسے ادنیٰ تامل حاصل ہے برخلاف اس کے بعض مصنفین نے براہ راست حضرت مہاجر مکی کو دارالعلوم دیوبند کا بانی لکھ دیا ہے۔ صابری سلسلہ کے مصنف وحید احمد مسعود لکھتے ہیں۔

رب العالمین نے انہیں (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو) تین نعمتیں عطا فرمائیں ایک یہ کہ ان کے مریدین نامی گرامی علماء ہوئے دوسرے یہ کہ قیام کے لئے بیت اللہ میں جگہ ملی۔ تیسرے یہ کہ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کی طرح دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی۔ [1]

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی دعائیں اس ادارہ کے قیام میں بلاشبہ شامل رہیں اور ان ہی کے ایک خلیفہ حضرت حاجی عابد حسین نے شبانہ روز مساعی اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے پیسہ اکٹھا کیا اور اس مدرسہ کی ابتدا فرمائی اور اپنے مرشد کے حکم سے دیوبند میں اقامت پذیر ہو کر اس ادارہ کی تعمیر و ترقی میں سب کچھ لگا دیا۔

ڈاکٹر بصیر احمد خاں لکھتے ہیں۔

"مدرسہ کی ابتدائی داستان کا مطالعہ کرنے سے ایک بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اس مدرسہ کے قیام میں اس کے بانی اور مہتمم اول حضرت محمد عابد حسین کی کوششوں اور ان کے اثر و رسوخ اور

---

[1] صابری سلسلہ صہ۴۲

ذاتی وجاہت کا کافی دخل رہا ہے۔[1]

ڈاکٹر موصوف نے ارواح ثلثہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دوران قیام مکہ یہاں سے مولوی محمد قاسم نانوتوی کے ہمنوا علماء وہاں پہنچے تو انہوں نے ازراہ مسرت فخریہ لب ولہجے میں فرمایا۔

"ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے دعا فرمائی جائے حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا! "ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر" یہ ارشاد فرمانے کے بعد حاجی صاحب نے یہ حقیقت منکشف فرمائی۔ یہ مدرسہ ان ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔[2]

جب مدرسہ قائم ہو گیا اور اس کی اطلاع مہاجر مکی علیہ الرحمہ کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے مکہ معظمہ سے انہوں نے اپنی اس مسرت کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا جس میں حاجی سید محمد عابد حسین کی بنائے مدرسہ کے تعلق سے کافی ستائش کی۔ فرماتے ہیں۔

اجرار سے مدرسہ علم دین کے آں عزیزوں وعزیزم حافظ عابد حسین صاحب کی سعی سے کس قدر خوشیاں حاصل ہوئیں کہ بیان میں نہیں آتا خداتعالیٰ اس امر خیر کو ہمیشہ جاری رکھے اور اسکے مساعی وباعثوں کو جزائے خیر دے۔[3]

---

[1] اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات واثرات ص۹۵

[2] اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات واثرات ص۹۶

[3] مرقومات امدادیہ ص۱۴۲

جس طرح مہاجر مکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مکۃ المکرمہ میں اپنا بسیرا بنالیا اسی طرح حاجی سید محمد عابد حسین علیہ الرحمہ نے حجاز کی مقدس سرزمین مکہ مکرمہ میں بود و باش اختیار کرنے کی تمنا کا اظہار جب بموقع حج مہاجر مکی سے فرمایا تو انہوں نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ ہندوستان میں آپ کی بہت ضرورت ہے۔ وہاں آپ کی مبارک ذات سے علم دین کی نشر و اشاعت ہوگی اور سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کا فیضان عام ہوگا۔ چنانچہ حاجی صاحب ہندوستان واپس تشریف لائے اور علم دین مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کے لئے مدرسہ دیوبند قائم کیا اور اس کی اطلاع مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی پھر خوشیوں سے چور اور محبتوں سے بھرپور جو خط حاجی صاحب کو ارسال کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے فرماتے ہیں

"مخلصی مکرمی میاں حاجی حافظ سید محمد عابد حسین صاحب۔ دام عرفانہٗ

سلام علیکم چو در خاطری   گرز چشم دوری بدل حاضری

مکتوب محبت وعقیدت اسلوب آپ کا پہنچا اور حال مفصل اس کا معلوم ہوا اللہ تعالیٰ تم کو مع اہل وعیال کے خوش اور خرم رکھے اتباع شریعت اور اپنی رضامندی کامل عنایت کرے۔ آمین

میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق میں ہند رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ و مدینہ میں رہنے سے افضل ہے۔ مگر الحمد للہ کہ وہاں جاکر بھی آپ کو یہی حکم ہوا سو اب تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور رسول کی مرضی پائی جائے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی میں فنا کر دو۔ دوری نزدیکی ظاہری کا کچھ اعتبار نہیں جو اسکی رضا پر ہے وہی نزدیک ہے۔[1]

---

[1] مرقومات امدادیہ مکتوب سی وہشتم ص۵۲

مولوی محمد قاسم نانوتوی بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء میں سے تھے کیا انہیں اور ان کے ہمنواؤں کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس مدرسہ کے قیام میں حضرت حاجی مہاجر مکی کی دعائیں حاجی عابد حسین کی جدوجہد میں قدم بہ قدم مشعل راہ رہیں پھر اس کے برخلاف اس وقت حاجی عابد حسین کی کاوشوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی کیوں کوشش کی گئی اس میں بھی تفصیل ہے جس کا ذکر مختصر سطور بالا میں گزر چکا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شخصیت علمائے دیوبند کے درمیان کم اور علمائے اہل سنت (بریلوی علماء) کے درمیان زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اس حقیقت کے باوجود ان کی عظمت علمائے دیوبند کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکی آج بھی اگر ان کے عقائد و نظریات پر مکمل طور سے عمل کر لیا جائے تو بریلوی اور دیوبندی علماء کے درمیان اختلاف عقائد کی جو کھائی ہے اسے پاٹنے میں کافی حد تک مدد مل سکتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ زبانی طور پر علمائے دیوبند انہیں سید الطائفہ، شیخ العرب والعجم اور اپنا مذہبی و روحانی پیشوا ضرور مانتے ہیں مگر عملی طور پر علمائے دیوبند کے عقائد ان سے متصادم ہیں۔ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ مرشد کا عقیدہ کچھ اور ہو اور ان کے مرید و خلیفہ کا عقیدہ کچھ اور۔ یہ واضح رہے کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی جن کے مذہبی افکار و خیالات کو مسلک دیوبند کہا جاتا ہے سب کے سب حاجی امداد اللہ اور مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان دونوں حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ہیں نے حاجی صاحب سے طریقت میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔ شریعت کے ہم خود امام ہیں اور بعض خلفاء ہر اعتبار سے آپ کو اپنا مرشد اور رہنما تسلیم کرتے تھے۔

اگر چہ اس وقت یہ میرا موضوع نہیں لیکن جب بات آگئی ہے تو تھوڑی روشنی ڈالنی ضروری ہے تاکہ راقم السطور پر دعویٰ بغیر سند کے رہنے کا الزام نہ رکھا جاسکے۔ حاجی صاحب کے خلفاء کے تعلق سے صابری سلسلہ کے مصنف امداد المشتاق ص ۲۰ کے حوالے سے حاجی صاحب کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں

"میرے خلفاء دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لئے انکی درخواست پر اجازت دی ہے۔ جن خلفاء کو از خود خلافت دی ہے انہوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی مثلاً مولوی لطف اللہ علی گڑھ (م ۱۳۳۴ھ) مولوی احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) مولوی محمد حسین الہ آبادی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی عبدالسمیع رام پوری (م ۱۳۱۸ھ) جن خلفاء نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) اور مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں"۔ [1]

موخر الذکر علماء نے حاجی امداد اور مہاجر مکی کو مختلف انداز سے یہ عندیہ ہی صرف نہیں دیا بلکہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی زبان میں یہ بھی اعلان کیا کہ

"جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں ہم ان کے مقلد ہیں باقی ان فرعیات کے امام ہم ہیں حاجی صاحب کو چاہئیے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں اور مولوی قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زاید ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس

---

[1] صابری سلسلہ ص ۴۶

اختلاف کو جائز قرار دینے کے لئے اپنی ساری قابلیت صرف کردی مگر ساتھ ہی ازراہ انصاف یہ بھی تحریر فرمایا کہ بقول شخصے "تانباشد چیز کے مردم نگویند چیزھا" [ل]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مذہبی عقائد کے پس منظر میں ان کے خلفاء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان کے خلفاء میں ایک گروہ کا عقیدہ وہی تھا جو ان کا تھا اور یہ وہی حضرات تھے جنھیں حاجی صاحب نے از خود خلافت دی تھی اور دوسرا گروہ جس کے سرخیل مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی تھے وہ ان کے عقیدہ سے اختلاف رکھتے تھے اس لئے ان دونوں گروہوں کے درمیان زبردست قلمی جنگ ہوئی مولانا عبدالسمیع بیدل رام پوری کی تصنیف "انوار ساطعہ" کے جواب میں "براہین قاطعہ" لکھی گئی اور نہ جانے کیا کیا ہوا اس کی تفصیل کتب مناظرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اپنے خلفاء کو باہم دست وگریباں دیکھ کر جب حاجی صاحب سے نہ رہا گیا تو انھوں نے رفع فساد کے لئے "وحدت الوجود" اور فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے دو رسالہ لکھا موخر الذکر میں (۱) مولود شریف (۲) فاتحہ (۳) عرس وسماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعت ثانیہ (۶) امکان نظیر (۷) امکان کذب کے تعلق سے اپنا موقف واضح کیا اور ان مسائل میں ان کے خلفاء کے درمیان جو تنازعہ تھا اس کے تصفیہ کی حتی الامکان کوشش فرمائی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں حاجی صاحب نے اپنا رسالہ ان لوگوں کے پاس بھیجا جو آپ کے مذہبی افکار سے اختلاف رکھتے تھے۔ جب کچھ مہینے گذر گئے تو حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ مولانا محمد حسین الہ آبادی علیہ الرحمہ کو خط لکھا کہ وہ خط لکھ کر بتائیں ہمارے

[ل] صابری سلسلہ ص ۴۹

لوگوں (بعض خلفاء مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی) نے اس رسالے کو کس نظر سے دیکھا اسے پسند کیا یا نہیں۔ کچھ اختلاف دور ہوا یا نہیں؟ مولانا محمد حسین الٰہ آبادی نے تحقیق کے بعد حاجی صاحب کو جو جواب لکھا اس کا ذکر صابری سلسلہ کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا:

"علمائے دیوبند نے ان رسالوں کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا بلکہ ہفت مسئلہ کو نذر آتش کرادیا۔"[1]

فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذر آتش کرنے کی تفصیل خواجہ حسن نظامی ثانی سے سنیے اور معاملے کو غیر جانب دار ہو کر سمجھنے کی کوشش کیجئے وہ فرماتے ہیں

"نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیر تعلیم تھے لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجی تھیں ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب خاموشی سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انہیں جلا دو مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں انہوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا

---

[1] صابری سلسلہ ص ۴۷

ضروری تھا اس لئے میں نے آدھی کتابیں توجلادیں اور آدھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے فوراً دو آم اٹھا کر مجھے انعام دیئے
اپنے مرشد کی لکھی ہوئی کتاب پر چہ جائیکہ مرید وخلیفہ غور کرتے دلوں میں بٹھاتے اس پر عمل کرتے مگر ہوا یہ کہ اس کا مطالعہ تو کجا دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور اسے نذر آتش کرنے ہی میں راحت محسوس کی۔ اس طرز عمل کو دیکھ کر قلم یہ لکھے بغیر نہیں رکتا ہے کہ جو شخص اپنے شیخ اور پیر و مرشد کا نہ ہوا وہ بھلا عام بندگان خدا کا کیا ہوگا۔ اسی لئے وحید احمد مسعود نے واضح لفظوں میں لکھا ہے

"حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرنے والے خلفاء کا طرز عمل اسمٰعیلیہ و مجددیہ سے ملتا جلتا ہے۔ صابری تعلیم و تربیت کی روح ان میں نہیں پائی جاتی" [۲]

آخر میں خلاصۂ بحث کے طور پر میں دیوبندی عالم مولانا مناظر احسن گیلانی کا وہ قول نقل کر دینا چاہتا ہوں جسے جناب محمد یونس صاحب نے اپنے مراسلہ میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے قلم سے حضرت حاجی عابد کو بانی دار العلوم تحریر کیا۔ قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا مولانا مناظر احسن گیلانی نے فرمایا میری تحقیق یہی ہے کہ حضرت حاجی عابد بانی دار العلوم ہیں اور قلم سے اس کو قلم زد نہیں کروں گا آپ کی مرضی آپ اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیجئے قاری صاحب نے برہمی کا اظہار فرمایا اور اپنے قلم

---

[۱] ماہنامہ منادی دہلی جلد ۳۹، شمارہ ۱۲، ص۲۲

[۲] صابری سلسلہ ص۵۶

سے اس کو قلم زد کر دیا (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) یہ مثال مولانا طیب صاحب نے صحیح کر کے دکھادی۔ [1]

حقیقت پر لاکھ پردہ ڈالا جائے مگر کبھی نہ کبھی حق روشن اور آشکار ہو کر رہتا ہے دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حضرت عابد حسین علیہ الرحمہ ہیں۔ حافظ محمد احمد مہتمم رہے پھر ان کے بیٹے مولانا محمد طیب مہتمم ہوئے اس وجہ سے دارالعلوم کے بانی ان کے دادا مولانا محمد قاسم نانوتوی بن گئے مگر حقیقت کیا ہے یہ اہل دین ودانش پر مخفی نہیں۔

ان حقائق وشواہد کی روشنی میں علمائے دیوبند کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت حاجی عابد حسین علیہ الرحمہ دارالعلوم کے بانی نہیں؟ اس حقیقت کو مان لینے کے بعد یہ بحث ہمیشہ کیلئے ختم کر دینی چاہئے لیکن برا ہو، ہوا وہوس کا جو ان تخریبی امور کے لئے نفس کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اگر واقعی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء دارالعلوم دیوبند کے تئیں مخلص ہیں تو حاجی صاحب کی قابل تقلید خدمات اور مخلصانہ قربانیوں کے اعتراف میں ایک زبان ہو کر یہ فیصلہ سنا دینا چاہئے کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہی ہیں مگر اس ادارہ کی شہرت کو بام عروج پر پہنچانے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہی فیصلہ سچ اور اسی کا ذکر انصاف پسند مورخین وسوانح نگاروں نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ مگر یہ تلخ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد جو دشواریاں لاحق ہوں گی اس کا ذکر طلسماتی دنیا کے ایڈیٹر حسن الہاشمی فاضل دارالعلوم دیوبند نے ان لفظوں میں کیا ہے:

"حق بات یہ ہے کہ اگر ہم دارالعلوم دیوبند کا بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کو نہ مانیں تو پھر ہمیں یہ بھی مان لینا چاہئے کہ ہمارے تمام اکابرین العیاذ باللہ کذاب

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۶ء

تھے۔ یا کم سے کم کذب مبین کو ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے۔" [۱]

ان حقائق کو مان لینے کے بعد فضلائے دیوبند کن دشواریوں سے دوچار ہوں گے اور پھر اس کا سدِ باب کس طرح ہوگا یہ تو وہی حضرات اچھی طرح بتا سکتے ہیں۔ راقم تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ بانی دار العلوم کے تعلق سے جو حقائق وشواہد علمائے دیوبند ہی کی تصانیف اور تحریروں سے سطورِ بالا میں ذکر کئے گئے اس کی روشنی میں فضلائے دیوبند کو چاہئے کہ اپنے اکابر کی ان تحریروں کا احترام کریں اور بانی کے تعلق سے سارے اختلافات دور کر کے ایک جٹ ہو کر دار العلوم کی تعمیر وترقی میں لگ جائیں اور جس دینی جذبے کے ساتھ حاجی صاحب نے اس ادارہ کی بنیاد رکھی تھی اسی جذبہ کو فروغ دیں اگر ایسا نہیں ہوا اور نفس پرست علماء کے ہاتھوں میں اس کی قیادت رہی تو پھر آئے دن اس قسم کی بحثیں اخبار کی سرخیاں بنتی رہیں گی اور سماج ایک عجیب طرح کے انتشار سے دوچار ہوتا رہے گا۔ بڑی اچھی بات کہی ہے دار العلوم دیوبند کے فاضل جناب حسن الہاشمی صاحب نے :

"اس طرح کی بحثوں سے جو روحانیت تباہ ہو رہی ہے اور انسانیت کا بیڑا غرق ہو رہا ہے اس کی پرواہ نہ عابدیوں کو ہے نہ قاسمیوں کو اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم تحقیق کا حق ادا کر رہے اور مُردوں کے کپڑے پھاڑ کر بے حساب جنت میں داخل ہونے کا کام کر رہے ہیں۔ ان دیوبندیوں سے تو وہ بریلوی اچھے جن کے یہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نام پر تو کوئی اختلاف نہیں۔ یہاں تو سوا سو سال میں آج تک یہی مقدمہ حل نہ ہو سکا کہ اس مسلک کا بانی کون تھا؟ جو لوگ اپنے بزرگوں کے درمیان انصاف نہ کر سکے ان سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے بارے میں عدل کی پالیسی اپنالیں گے۔" [۲]

---

[۱] ماہنامہ طلسماتی دنیا ص ۹۹ فروری مارچ ۱۹۹۶ء [۲] ماہنامہ طلسماتی دنیا ص ۹۹ فروری مارچ ۱۹۹۶ء

بانی دارالعلوم دیوبند
اور
معترضین
و
معترفین

بانی دارالعلوم اور معترضین

دارالعلوم دیوبند کے بانی کے تعلق سے جب راقم کی یہ تحقیق قسط اول ۱۳؍دسمبر قومی آواز کے خصوصی کالم میں شائع ہوئی تو حلقۂ دیوبندیت میں کہرام مچ گیا اور وہ اس لئے کہ اس مقالے میں حقیقت کو بالکل بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی یہ مقالہ شائع ہوا اور راقم کی یہ تحقیق سامنے آئی کہ:

- دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
- وہ خوش عقیدہ مسلمان تھے۔
- عشق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ وپے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔
- اولیاء اللہ اور مقربین بارگاہ الٰہی سے انھیں والہانہ لگاؤ تھا۔
- بزرگان دین کے مزارات پر حاضری نذر ونیاز ان کی زندگی کا عام معمول تھا۔
- وہ میلاد وفاتحہ کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ زر کثیر خرچ کر کے اس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔
- چونکہ مسلک دیوبند میں نذر ونیاز میلاد وفاتحہ بدعت وناجائز ہے اور حاجی صاحب کا ان تمام امور پر عمل تھا اس لئے ان کا نام پردۂ خمول میں ڈال دیا گیا۔

تو انصاف پسند قارئین نے اس تحقیق کا خیر مقدم کیا اور راقم السطور کی ستائش کی لیکن مسلک دیوبند سے وابستہ بیشتر افراد آگ بگولہ ہوگئے اور اپنے اس غم وغصے کا اظہار قومی آواز دہلی کے مراسلات کالم سے

شروع کر دیا۔ عبد الحمید نعمانی ناظم نشر و اشاعت جمعیۃ علمائے ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی ۲، نے بھی میرے تحقیقی مقالہ کی تردید میں ایک مراسلہ تحریر کیا جو قومی آواز دہلی ۴؍ جنوری ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں "بانی کون" کے عنوان سے مراسلات کے کالم میں شائع ہوا اسے ذیل میں مکمل بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے:

"کچھ دنوں سے موقر روزنامہ قومی آواز میں دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ہو کے موضوع پر مراسلے اور مضمون اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔ جس آدمی نے اس بحث کا آغاز کیا تھا اسے نہ تو دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے صحیح واقفیت ہے نہ ہی ڈھنگ کی عربی زبان سے۔ اس نے محض بغض معاویہؓ میں دارالعلوم کے موجودہ انتظامیہ کے خلاف بخار اتارنے کے لئے ایک مراسلہ تحریر کر دیا بغیر کسی مضبوط دلیل و بنیاد کے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی کے تعلق سے حضرت حاجی عابد حسینؒ کو جس قدر اہمیت دینی چاہئے تھی، نہیں دی گئی۔ جب حضرت قاری طیب صاحب کی آخری عمر میں اہتمام کو لے کر قضیہ شروع ہوا تو موجودہ انتظامیہ نے حضرت حاجی صاحب کے نام کو بڑی حد تک نمایاں کیا جو بالکل ایک حقیقت ہے۔ دیوبند میں حضرت حاجی صاحب کے سگے پوتے سید شاداب ہمارے ہم درس تھے۔ ان کے پاس بہت سے پرانے کاغذات ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیام دارالعلوم کے اول محرک و مجوز حضرت حاجی صاحب ہی تھے، البتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سمیت دوسرے اکابر سے صلاح و مشورہ کیا جاتا رہا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کو دارالعلوم بنانے میں اصل کردار اور فکری رہنمائی اور اصول سازی وغیرہ کا کام حضرت نانوتوی نے انجام دیا ہے۔ دارالعلوم کے آٹھ اصول حضرت نانوتوی کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ

کی شخصیت بھی کوئی کم اہم نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر اگر دیوبند کے فضلاء اپنے نام کے ساتھ "قاسمی" لکھتے ہیں تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ البتہ یہ بات میں کہہ سکتا ہوں کہ قاسمی لکھنے کی بات بعد میں رائج ہوئی ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر قدیم فضلاء دیوبند کے نام کے ساتھ ہمیں قاسمی لکھا نہیں ملتا ہے۔ قاسمی لکھنے کی بات غالباً حضرت قاری طیب صاحب کے دور اہتمام سے شروع ہوئی ہے۔ حضرت حاجی عابد حسین کے اول محرک و مجوز ہونے کی بات "سوانح قاسمی" از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا نذیر احمد دیوبندی کی کتاب "تذکرۃ العابدین" اور دیگر تحریریں میں موجود ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے دیوبند کی مجلس شوریٰ میں باقاعدہ یہ شکایت کی تھی کہ ہماری تحریریں رد و بدل کیا گیا ہے۔ یہ بات اس وقت کے ارکان شوریٰ دارالعلوم کے نام جو دعوت نامہ بھیجا گیا تھا اس کے ایجنڈے میں باقاعدہ تحریر ہے۔ اس کے باوجود تاریخی طور پر اتنا کچھ موجود ہے کہ حاجی عابد حسین کی شخصیت و اہمیت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔

لیکن ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا یہ کہنا حضرت حاجی عابد حسین کے عقائد و نظریات دیوبندی مکتب فکر سے متصادم تھے اور ان کا عقیدہ وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانہ میں مولانا احمد رضا خاں قادری اور ان کے خلفاء و متبعین کا ہے (قومی آواز ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۶ء) بالکل خلاف واقعہ اور بحث کو غلط رُخ دینے کی سعی نامشکور ہے۔

مثلاً مولانا احمد رضا خاں اور ان کے شدت پسند خلفاء و متبعین اپنے ماسوا تمام مکاتب فکر والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی مساجد

کو گھر کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کفار کے گھر کے مثل سمجھتے ہیں۔
(تفصیلات احکام شریعت، عرفان شریعت، حسام الحرمین اور الملفوظ
از مولانا احمد رضاخاں دیکھئے)۔

قبروں پر اذان دینے کے قائل ہیں جو کہ بدعت ہے اور بھی بہت
سے مسائل ہیں جن کے بارے میں یہ بالکل ثابت نہیں ہے کہ حضرت
عابد حسینؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ یا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نقطۂ
نظر کے خلاف، مولانا احمد رضاخاں کے مسلک کے حامی تھے۔ اور یہ
بھی کہ جس وقت دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تھا اس وقت تو مولانا احمد
رضاخاں دس گیارہ سال کے بچے تھے۔ لہٰذا ان کے مسلک سے حاجی صاحبؒ
کو کیا لینا دینا ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ حاجی صاحبؒ کو مولانا گنگوہی
و مولانا نانوتویؒ کی کسی بات سے قدرے اختلاف ہو لیکن مولانا احمد رضا
خاں کے نظریہ کی حمایت و موافقت کی بات بالکل غلط ہے۔"

جناب مولانا عبدالمجید نعمانی کے خط کا جواب دینے کی تیاری چل ہی
رہی تھی کہ حلقۂ دیوبندیت کی مشہور شخصیت مولانا اخلاق حسین قاسمی کا بھی
ایک مراسلہ ۴ر جنوری ۱۹۹۰ء کو میرے تحقیقی مقالے کی تردید میں "بانی دارالعلوم
اور تضاد بیانی" کے عنوان سے قومی آواز دہلی میں شائع ہو گیا۔ اس خط
میں موصوف نے میری جن باتوں پر گرفت کی ہے اسے پڑھ کر مولانا کے
مبلغ علم کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے موصوف کا خط بعینہٖ ذیل میں بغیر کسی
حذف و اضافہ کے شائع کیا جا رہا ہے:

"غلام یحییٰ صاحب نے بانی دارالعلوم کے قضیہ میں بڑا مدلل مضمون
تحریر کیا ہے اور تاریخی حوالوں سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے لیکن ان کے
اس تاریخی بیان میں کھلا تضاد اور تخالف اس وقت سامنے آتا ہے
جب وہ یہ لکھتے ہیں کہ حاجی عابد حسین کے وہی عقائد تھے جو اعلیٰ حضرت

بریلوی کے تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دارالعلوم کی بنیاد ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں قائم کی گئی اور ۱۸۵۶ء میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی پیدائش ہوئی۔ دارالعلوم کے قیام کے وقت مولانا بریلوی کی عمر دس سال کی تھی، اور مولانا بریلوی کے سوانح نگار واہل عقیدت یہ لکھتے ہیں کہ مرحوم بچپن ہی میں اپنے علم وفضل کی شہرت و عظمت ہندوستان کے کونہ کونہ میں پہنچا چکے تھے۔ علاوہ مولانا بریلوی کے ان کے استاد اور والد مولانا نقی علی خاں کی علمی شہرت کا آفتاب بلند تھا۔ پھر حاجی صاحب نے اپنے اس عظیم کام میں اپنے ہم خیال بریلوی اور رام پوری علماء وصوفیاء کو شرکت کی دعوت کیوں نہیں دی؟

حاجی صاحب نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو میرٹھ لکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے کے لئے تشریف لایئے اور مولانا نے اپنی جگہ مولوی ملا محمود کو بھیجا۔ حاجی صاحب نے جو مجلس شورا قائم کی اس میں مولانا محمد قاسم مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا ذوالفقار علی (والد حضرت شیخ الہند) شامل کئے گئے اور یہ تمام حضرات شاہ محمد اسحاق صاحب نبیرہ شاہ عبدالعزیز کے اصلاحی تصورات پر قائم تھے اور سنت نبوی کی اتباع میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ (ردمحدثات) کے داعی تھے۔

حاجی صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب دیوبندی کو بریلی سے بلاکر دارالعلوم کا صدر مدرس مقرر کیا اور جب حاجی صاحب نے مدرسہ کے انصرام سے علیحدگی اختیار کی تو مولانا رفیع الدین صاحب کو مہتمم مقرر کیا گیا۔ مولانا رفیع الدین کے ہجرت کر جانے کے بعد دوبارہ حاجی صاحب کو زحمت دی گئی اور آپ کے اہتمام کا اعلان کیا گیا اس اعلان پر مولانا رشید احمد گنگوہی کا اسم گرامی درج تھا۔ یہ تمام طلبہ بریلوی اور رام پوری نظریات سے مختلف نظریات رکھتے تھے۔ بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کی عمارت کی بنیاد

اور پھر اس کی ترقی کے سلسلہ میں حاجی صاحب کو بانی ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن دارالعلوم کے تعلیمی اور تربیتی نظام کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی اور انقلابی تعلیمات کا مرکز بنانے اور دارالعلوم کو امت کی اصلاحی جدوجہد کی سمت پر ڈالنے کا عظیم کام مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی کے ذریعہ انجام پایا۔

حاجی صاحب ایک صوفی و درویش تھے اور مولانا قاسم صاحب علم وقلم عاشق رسول کا مقام رکھتے تھے اور آپ کی شخصیت جامع کمالات و محاسن تھی اس لئے دارالعلوم کے فیض یافتہ اپنے نام کے ساتھ قاسمی کی نسبت لکھتے ہیں"

حلقۂ دیوبندیت کی ان دو محترم شخصیات کے مراسلہ کے جواب میں جو میرا خط قومی آواز دہلی کے مراسلات کے کالم میں "بانی دارالعلوم اور معترضین" کے عنوان سے شائع ہوا وہ بجائے خود انتہائی اہم تھا اس مراسلہ سے مسلک دیوبند کی پوری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے

بانی دارالعلوم اور معترضین

"بانی دارالعلوم حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے قومی آواز ۲ جنوری ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں جناب عبدالحمید نعمانی اور پھر ۴ جنوری کی اشاعت میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کا مراسلہ میرے مقالہ " دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ؟ " کے اس جملہ کی تردید میں شائع ہوا جس میں میں نے لکھا تھا کہ حاجی عابد حسین کا عقیدہ اُس دور میں وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانہ میں امام اہلسنت مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور متبعین ہیں" اس بات کو میں نے اسی مقالہ میں دوسری جگہ ان لفظوں میں بھی لکھا تھا "اُس دور میں حاجی صاحب کا اعتقاد ان تمام چیزوں پر تھا جسے اس دور

میں مولانا احمد رضا قادری کا عقیدہ کہا جا سکتا ہے۔" یہ واضح رہے کہ عقیدے کے تعلق سے یہ باتیں مولود و فاتحہ کے تناظر میں کہی گئی تھیں۔ مگر نہ جانے ان جملوں نے کیا قیامت ڈھادی کہ اس کے برخلاف مراسلے شائع ہوگئے حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب کا دل محبت رسول کا مدینہ تھا ان کے یہاں ہر ہفتہ مولود شریف کی مجلس منعقد ہوتی تھی وہ نیاز و فاتحہ کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ کیا اس زمانہ میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کے عقیدت مندوں کا یہی عقیدہ نہیں ہے کیا وہ میلاد شریف اور نیاز و فاتحہ کی محفلیں نہیں منعقد کرتے ہیں ؟ اگر ایسا ہے اور فی الواقع ایسا ہی ہے تو جناب عبد الحمید صاحب کو اس جملے پر چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ خدارا انصاف سے بتائیے کیا مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ میں نیاز و فاتحہ کو ناجائز و بدعت ضلالہ اور مولود شریف کی محافل کو ناجائز نہیں لکھا ہے ؟ اور براہین قاطعہ میں مولود شریف کو کنھیا کی جنم کی طرح نہیں بتایا گیا ہے ؟ تو کیا یہی حاجی عابد حسین کا عقیدہ تھا ؟ اگر تھا تو پھر اس کا اہتمام کر کے مرتکب گناہ کیوں ہوتے تھے ؟

واضح رہے کہ مسلک دیوبند چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحبان سے پہلے کسی مسلمہ شخصیت سے اس مسلک کا کوئی تعلق نہیں تھا اس کا اعتراف دارالعلوم دیوبند کے استاد تفسیر مولانا سیّد انظر شاہ صاحب کشمیری کو ہے اپنے مضمون "مسلک دیوبند کیا ہے" میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

"اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے ـــــ اس لئے یہ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے

کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں۔" (البلاغ کراچی ذوالحجہ)

اس کے علاوہ یہ بھی حق ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب کا جو عقیدہ تھا اگر وہی عقیدہ تمام اکابر دیوبند کا تھا تو ان اکابر نے اپنے پیر و مرشد حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد و نظریات پر مشتمل کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" کو کیوں نذر آتش کر دیا تھا؟ معلوم ہوا کہ حاجی عابد صاحب کے عقائد و نظریات مسلک دیوبند سے متصادم تھے۔

ہمارے معترضین نے جو یہ لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا اس وقت دس گیارہ سال کے تھے حاجی صاحب کو ان کے عقیدے سے کیا لینا دینا تھا تو اگر یہ حضرات حق و صداقت کا عینک لگا کر میرے مقالے کا مطالعہ کرتے تو شاید اس قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ میں نے تو یہ لکھا تھا حاجی صاحب کا جو عقیدہ اُس دور میں تھا وہی عقیدہ اِس دور میں مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور متبعین کا ہے؛ اس جملہ میں کیا قباحت ہے؟ ہم عقیدہ ہونے کے لئے کیا زمان و مکان کی قید لازمی ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ اعتراض بے جا کیوں؟

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی نے دارالعلوم کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی اور انقلابی تعلیمات کا مرکز بنانے کا کام کیا تو یہ بات کیسے تسلیم کر لی جائے کیونکہ اسی دارالعلوم کے استاذ مولانا انظر شاہ اس کی تردید کرتے ہیں ان کے خیال میں ان دونوں حضرات کے افکار و نظریات کا تعلق شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے ہی نہیں (حوالہ سطور بالا میں گذر چکا ہے) جہاں تک رہی بات بریلی اور رام پور سے کسی عالم دین کو بلانے کی تو اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس نفسیات کے در آنے کی بنیاد پر حاجی عابد صاحب دارالعلوم سے جدا ہوئے تھے

اگر اس کا علم حاجی صاحب کو پہلے سے ہوتا تو وہ ہرگز مولانا قاسم نانوتوی کو میرٹھ سے نہیں بلاتے چونکہ حاجی صاحب درویش صفت انسان تھے اور اس وقت تمام خوش عقیدہ مسلمانانِ ہند کا ایک ہی عقیدہ اور نظریہ تھا اس لئے قریب کے علماء کو نظر انداز کرکے بریلی اور رام پور سے کسی عالم کو بلانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ سارا اختلاف تو اس وقت پیدا ہوا جب دیوبند کے نام سے ایک نیا مسلک وجود میں آگیا اور اس کی اشاعت کے لئے دارالعلوم دیوبند کا سہارا لیا جانے لگا۔ مولانا انظر شاہ نے سچ کہا ہے۔

"اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا" [1]

(البلاغ کراچی ص۵ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ)

——— ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

میرا تفصیلی مکتوب چھپتے ہی کچھ قاسمی حضرات چراغ پا ہوگئے جن کے مراسلہ کے جواب میں میں نے اپنا مراسلہ شائع کیا تھا ان میں تو بعض نے خاموشی اختیار کرلی لیکن پھر اور دوسرے مدعی علم و فن اور دارالعلوم دیوبند کے آغوش کے پلے ہوئے دوسرے چہرے سامنے آگئے۔ حقانی القاسمی الیف ۸۲، جواہر پارک، ویسٹ لکشمی نگر دہلی ۹۲، کا جو خط ۸/ جنوری ۹۸ء کے قومی آواز دہلی کے شمارہ میں شائع ہوا وہ مہذب دشنام طرازی کا مظہر تھا۔ موصوف لکھتے ہیں:

"دیوبند کے طالب علموں میں سے کسی ایک نے بانی دارالعلوم کون؟ کے عنوان سے قومی آواز میں مراسلہ کیا لکھا کہ دیوبند و بیرون دیوبند

---

[1] قومی آواز دہلی ۸/ جنوری ۱۹۹۸ء

کے سارے خنّاس اس بے چارے پر پل پڑے اور ملاؤں کے عمامہ میں یہ مسئلہ یوں الجھ گیا کہ سمجھ میں نہیں آتا پس پردہ حقیقت کیا ہے۔

ہم تو اب تک حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کو ہی دیوبند کا بانی سمجھتے آئے ہیں اور مستقبل میں بھی یہی ارادہ ہے کیونکہ دیوبند کسی سنگ وخشت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک فکر اور تحریک سے عبارت ہے اور دیوبند کے فکری نظام کی تشکیل میں مولانا قاسم نانوتوی کے اہم کردار سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے اور شاید اس لئے علام الغیوب نے بھی اس نام کو اتنی شہرت برکت اور مقبولیت عطا کی کہ دیوبند کا زائیدہ اپنے نام کے ساتھ "قاسمی" کا لاحقہ لگا کر خود کو مفتخر سمجھتا ہے جس میں میری طرح کے گنہ گار بھی شامل ہیں۔

سوچئے تو حقیقت میں یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سازش ہے جس سے دیوبند کے قضیہ نامرضیہ سے باخبر حضرات بخوبی واقف ہیں جشن صدسالہ کے بعد سے ہر نو وارد دیوبند کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرناکہ دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد علی مرحوم ہیں کیا یہ آشکار نہیں کرتا کہ دراصل خاندانی رقابت کا نتیجہ ہے دیوبند میں ان دنوں منافقت کا دور دورہ ہے اللہ تعالیٰ ملّتِ اسلامیہ کو اس شرّالوسواس الخنّاس سے محفوظ رکھے۔[۱]

حقانی القاسمی نے ان تمام حضرات کو جنھوں نے اپنی تحقیق انیق سے قارئین قومی آواز کے سامنے انکشاف حق کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ انھیں حقانی القاسمی نے بوکھلاہٹ میں خنّاس لکھ گئے۔ خنّاس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شیطان مردود، سرکش دیو، وسوسہ ڈالنے اور بہکانے والے کے ہیں۔

---

[۱] قومی آواز دہلی، ۸ر جنوری ۱۹۹۶ء مراسلہ کالم۔

حقانی صاحب کی اس مہذب گالی کا مخاطب براہ راست میں نہیں تھا اس لئے میں نے ان کے خط کے جواب دینے کو ضروری نہیں سمجھا لیکن ظاہر ہے کہ اگر میں خاموش ہو جاؤں تو کیا حاجی صاحب کے خانوادہ کے افراد اور انکے متبعین بھی خاموش رہیں گے۔؟ ہرگز ایسا نہیں چنانچہ سید اسعد حسین عابدی نبیرہ الحاج سید محمد عابد حسین صاحب محلہ ضیاء الحق دیوبند نے حقانی القاسمی کے مراسلہ کا سخت نوٹس لیا اور قومی آواز دہلی کے اسی مراسلات کے کالم میں "دارالعلوم کا بانی کون؟" کے عنوان سے انھوں نے اپنے مراسلہ میں لکھا:

"پچھلے دنوں قومی آواز میں حقانی صاحب کا مراسلہ شائع ہوا۔ مراسلہ نگار زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہوئے نہ جانے جوش میں کیا کیا لکھ گئے کہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھے!

حقانی صاحب! تاریخ دارالعلوم کی لڑائی کوئی خاندانی لڑائی نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی و نظریاتی لڑائی ہے۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب وغیرہ کوئی الحاج سید محمد عابد حسین صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے خاندان کے بزرگ نہیں تھے بلکہ یہ قیام دارالعلوم کے چشم دید گواہ ہیں ان بزرگوں نے قطب عالم حاجی سید محمد عابد صاحب کو بانی قرار دیا ہے۔ شاید آپ نے سید افتخار حسین صاحب کا مراسلہ (۲۳ دسمبر ۹۵ء) غور سے نہیں پڑھا یا آپ نے کبھی تاریخ دارالعلوم کا ڈھنگ سے مطالعہ نہیں کیا ورنہ آپ کی تمام شکایات رفع ہو جاتیں۔

اگر کسی کے پاس حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے بانی ہونے کے مضبوط ثبوت و دلائل ہیں تو وہ ان کو عوام کی عدالت میں پیش کریں۔ تنہا آپ کے بانی سمجھنے سے کام نہیں چلتا۔ ترقی دینے سے کوئی بانی نہیں

ہوتا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم کے پچاس پچپن سال مہتمم رہے اور انھوں نے سب سے زیادہ دارالعلوم کو ترقی دی تو پھر حضرت قاری طیب صاحب کو دارالعلوم کا بانی ہونا چاہئے پودا تو وہی ہے جسے الحاج سید محمد عابد صاحب نے لگایا اور تیس سال تک پرورش کی اور تناور درخت بنایا اور جب للّٰہیت ختم ہوگئی نفسانیت بڑھ گئی تو مدرسہ سے کنارہ کش ہوگئے۔

سید افتخار حسین صاحب نے بھی اپنے مراسلہ میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا حضرت مولانا قاسم نانوتوی ۱۳۲۱ھ سے پہلے بانی نہیں تھے کیوں مذکورہ بالا بزرگوں نے حاجی صاحب کو بانی قرار دیا بعد میں کیوں تاریخ بدل گئی؟ اب اس کے بعد ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔[1]

بنائے دارالعلوم کے تعلق سے جتنے مراسلے میرے تحقیقی مضمون کی تردید میں آئے اس میں اکابر کے مراسلے کم اصاغر کے زیادہ تھے اس لئے بعض دارالعلوم دیوبند کے وفاداروں کو ناگوار لگا کہ یہ ایسا موقع تھا اس میں دارالعلوم کے ذمہ دار افراد کو خصوصی توجہ سے کام لے کر بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تعلق سے اس قضیہ کو ہمیشہ کے لئے رفع کر دینا چاہئے تھا مگر ہوا یہ کہ موجودہ اکابر علمائے دیوبند میں صرف مولانا اخلاق قاسمی ہی سامنے آئے وہ بھی ایک مراسلہ میں ہی خاموش ہوگئے۔

اس لئے جناب ابن اقبال قاسمی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کو للکارتے ہوئے اپنے افسوس کا اظہار کیا اور ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ افسوس تو دارالعلوم کی موجودہ انتظامیہ پر ہے جس نے صاحب مضمون (غلام یحییٰ انجم) کی تردید میں کوئی ذمہ دارانہ

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۷ر جنوری ۱۹۹۶ء کالم مراسلات

وضاحتی بیان نہیں دیا۔ انھوں نے اپنے مراسلہ کا عنوان " مجرمانہ خاموشی،،
رکھا اور ۱۷ر جنوری ۱۹۹۶ء کو قومی آواز دہلی کے مراسلہ کالم میں شائع کرایا
انھوں نے میرے تحقیقی مضمون کو نشانہ بناتے ہوئے تحریر کیا۔

" قومی آواز کی گزشتہ دو ماہ کی مختلف اشاعتوں میں بنار دارالعلوم کے
مسئلہ پر کئی مراسلے اور ایک قدرے تفصیلی مضمون نظر نواز ہوا۔ یہ مسئلہ کوئی
نیا نہیں ہے بلکہ عرصہ دراز سے اس سیاسی مسئلہ پر گفتگو کبھی نرم اور کبھی
گرم انداز میں ہوتی رہی، حالانکہ جہاں تک اخلاص اور للّٰہیت کا معاملہ
ہے تو اس کے بانیان میں سے کسی کی بھی نیت یہ نہیں رہی ہوگی کہ اس
کا نام بانیان کی فہرست میں آئے اور باقی ناموں کو فراموش کر دیا جائے۔

سرِ دست بحث کی ابتدا ایک ایسے مراسلہ سے ہوئی جو کافی حد
تک مبنی بر اخلاص تھا اس کے بعد کچھ نے اپنے اپنے مخالفین کو بغض دعناً
کا نشانہ بنانا شروع کیا تو کسی نے اس کی آڑ لے کر اپنی تنگ نظری کا ثبوت
دیتے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کر دیئے اور نوبت بایں
جا رسید کہ دیوبندی فکر سے متصادم ایک مضمون نگار نے موقع غنیمت
سمجھتے ہوئے دارالعلوم کی بنا کے معاملے کو دیوبندیت اور بریلویت کے
دام میں الجھانے کی مذموم کوشش کی لیکن نہ تو وہ اپنی بات کسی مناسب
انداز سے کہہ پائے اور نہ ہی اس مقصد کو مخفی رکھ پائے جس کی وجہ سے
انہوں نے اس مضمون پر اپنی دماغی قوتیں صرف کیں۔

بہر حال انہیں تو یہ کرنا ہی چاہئے تھا کیونکہ انہیں اس سے بہتر موقع
کیا مل سکتا تھا افسوس تو دارالعلوم کی موجودہ انتظامیہ پر ہے جس نے
اب تک اپنے طور پر صاحب مضمون کی تردید میں کوئی ذمہ دارانہ وضاحتی
بیان نہیں دیا حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حاجی عابد حسین
صاحب دیوبندیؒ ہوں یا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دونوں ہی اس مکتبِ فکر

یا اس نظریہ سے کوسوں دور تھے۔ حاجی عابد حسین صاحبؒ درویش
صفت صوفی منش تھے تو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علم و عمل کے پیکر، اور
ان دونوں کی یکسانیت ہی مسلک دیوبند کے اعتدال کی دلیل ہے۔
مسلک دیوبند میں تصوف کی مخالفت نہیں ہے البتہ اس بہروپئے پن
کے وہ ہمیشہ مخالف رہے ہیں جس کی ترجمانی "غلام" صاحب نے کی ہے"
ابن اقبال قاسمی، زہرہ باغ علی گڑھ[۱]

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہی تھے
یہ اتنی واضح حقیقت ہے جس کا انکار کوئی کور باطن ہی کر سکتا ہے بعد
کے بعض ذمہ دار علماء نے بھی اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف
کیا ہے۔ اس حقیقت پسندی کی طرف اشارہ یونس صاحب نے
۱۶ دسمبر ۱۹۹۶ء، قومی آواز کی اشاعت میں کیا دارالعلوم دیوبند کے تعلق
سے جناب زبیری چھوٹی بارہ دری بلیماران دہلی نے واضح طور پر لکھا
ہے کہ دارالعلوم سے للٰہیت ختم ہوچکی ہے اس لئے بہ سارے مسائل اٹھ
کھڑے ہوئے ہیں انھوں نے اپنے مراسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی
تحقیق کو دہراتے ہوئے پھر لکھا ہے:

"شیخ الاسلام مولانا حسین احمد اور شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی
حیات تھے میں زیر تعلیم تھا مولانا مناظر احسن گیلانی کے سپرد تحقیق کی
گئی تھی (بانی دارالعلوم کون) مولانا مناظر احسن گیلانی نے جب حاجی
عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا تو مولانا طیب نے برہمی کا اظہار فرمایا، مولانا
مناظر احسن گیلانی نے فرمایا کہ میری تحقیق یہی ہے میں اپنے قلم سے قلم زد
نہیں کروں گا۔ آپ اپنے قلم سے قلم زد کر دیجئے۔ مولانا طیب نے
قلم زد کر دیا۔ یہ حقیقت ہے مرنا مجھ کو بھی ہے خدا کے سامنے جوابدہ

---

[۱] قومی آواز ۱۱ر جنوری ۱۹۹۶ء کالم مراسلات

ہوتا ہے میں بھی غلط تحریر نہیں کر رہا ہوں۔
دارالعلوم کی رُوح شیخ الادب اور شیخ الاسلام تھے دونوں اللہ کو
پیارے ہوگئے للّٰہیت دارالعلوم سے ختم ہوچکی ہے۔ ارشد مدنی شیخ الادب
اور اسعد مدنی شیخ الاسلام بننا چاہتے ہیں ؟
گرچہ رکھ لی ہے سید نے داڑھی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی[1]
جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جاچکا ہے کہ میرا یہ تحقیقی مقالہ ہر اس شخص
کی نظروں میں کھٹکتا تھا جس کا ادنیٰ سا بھی تعلق مسلک دیوبند سے تھا۔ اس
لئے ہر شخص میرے اس تحقیقی مقالہ کا جواب دینا اپنے لئے فرض کفایہ سے کم
نہ سمجھتا تھا چنانچہ دارالعلوم کے فارغین میں سے ایں قدر و آں قدر سب
نے اپنے شعلہ صفت جذبات کا جس انداز سے اظہار کیا اور اپنے اکابر
کی سنت کی پاسداری کرتے ہوئے جو لب و لہجہ استعمال کیا ہے اسے آپ بھی
پڑھئے اور بنظر غائر جائزہ لیجئے۔ "دارالعلوم کا اصل بانی کون" کے
عنوان سے ابو سلمان قاسمی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا مراسلہ ۲۱ر جنوری ۹۸ء
قومی آواز دہلی کے شمارہ میں شائع ہوا اس مراسلہ میں میرے تحقیقی مقالہ پر
بحث کم اور میری ذاتی زندگی پر گفتگو زیادہ تھی وہ خط من و عن ذیل میں نقل
کیا جارہا ہے:

دارالعلوم کا اصل بانی کون؟

"قومی آواز کے خصوصی کالم کے تحت "دارالعلوم کا اصل بانی کون؟" عنوان
سے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی تحریر کردہ تین قسطیں نظر نواز ہوئیں، پڑھ کر بہت
افسوس ہوا، عنوان کچھ، مدعا کچھ، جملے بے ربط، باتیں بے ترتیب، حقیقت
کچھ، اظہار کچھ، مضمون نگار نے مذکورہ عنوان کے پس پردہ اپنے مخصوص نظریہ
کا اظہار پہلی قسط کے پہلے پیرا گراف ہی میں کر دیا ہے، قسط وار سطوات
کا ماحصل کیا ہے؟ سوائے عقائد باطلہ اور اوہام فاسدہ کی اشاعت کے۔

[1] قومی آواز۔ دہلی ۲۵ر جنوری ۱۹۹۸ء

چہ خوب! امام سے پہلے مقتدی کا وجود، صاحب تحریر کو کچھ لکھنے سے پہلے اپنے مقتدا کی تاریخ پیدائش کا جائزہ لینا چاہئے تھا۔ ادارہ کے قیام کے وقت ان کے مقتدا کا شعور تک نابالغ تھا، چہ جائیکہ حاجی صاحب ان کے مقتدی ٹھہرے۔ قرآن وحدیث کو مرجع و منبع جاننے کے بجائے مولانا بریلوی کو شارع کی حیثیت دینا خرد کی کون سی تیموری چال ہے؟ ہمدرد یونیورسٹی کے بینر تلے ایسے مضامین اسے بدنام کرنے کے ضامن ثابت ہوں گے۔

تینوں قسطوں کا لب لباب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مضمون نگار کو شہرت وناموری کا مالیخولیا ہوگیا ہے۔ ایسے مریض بقول حکماء اجاڑ اور سنسان جگہوں کو گوشۂ عافیت سمجھتے ہیں لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ مضمون نگار نے اخبار کی راہ لی ہے۔ ممکن ہے اس راہ سے بھی منتہائے مقصود وہی ہو چنانچہ بقول صاحب مضمون "حاجی عابد حسین نے دارالعلوم کی بنا رکھی اور وہ مسلک احمد رضا کے پیروکار تھے"

اس کربناک حقیقت کے باوجود کہ بریلی کی چشم کوتاہ میں دیوبند ہمیشہ خار بن کر کھٹکا ہے۔ صاحب مضمون کی یہ سلسلہ جنبانی ممکن ہے اسی مقصود کو منتہا ہو کہ ہمدرد کی مسند تدریس کو چھوڑ کر رضاخانی نظریات کے مطابق دوگز زمین دیار دارالعلوم میں مل جائے تو وہاں بھی تسبیح وعصا، صافہ وعبا کی آڑ میں کسی قبر نما مرتفع زمین کا مجاور بن جائیں۔

ڈاکٹر غلام یحیٰی کو چاہیے کہ قرطاس وقلم کی باگ اپنے مفروضہ معتقدات کی جانب نہ کھینچیں اور جو کچھ لکھیں کمال شعور اور حواس کو مجتمع کرکے لکھیں۔ مجھے یہ مشورہ دینے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ جب ان کی شاہکار تصنیف "معلم العربیہ" مارکیٹ میں آئی تو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو تین سو (۳۰۰) غلطیوں کا تاریخی پلندہ ہے۔ یہ ایسی تین سو غلطیاں ہیں

جن کو کسی طور پر بھی کاتب کی گردن پر نہیں ڈالا جاسکتا۔اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہوش وحواس کو بیچ کر لکھا گیا ہے۔[1]

ابوسلمان قاسمی ۔مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جناب ابوسلمان قاسمی صاحب کے مراسلہ کے جواب میں جو میرا خط قومی آواز میں ۲۹ر جنوری ۱۹۹۶ء کو شائع ہوا وہ یہاں بعینہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند اور معترضین

۲۱ر جنوری قومی آواز دہلی کے شمارہ میں کسی غیر معروف "قاسمی" صاحب کا جذباتی، غیر سنجیدہ اور تعصب سے بھرپور مراسلہ "دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی" کے تعلق سے نظر سے گذرا۔مراسلہ نگار کی تحریروں سے ایسا لگتا ہے کہ موصوف کا تعلق نئے فارغین سے ہے جنھیں علم وتحقیق کی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس مراسلہ کا تعلق موضوع بحث سے کم میری ذاتی زندگی سے زیادہ ہے انھوں نے میرے مقالے پر وہی گھسا پٹا اعتراض کیا ہے جس کا تفصیلی جواب میں قومی آواز ۷ار جنوری کی اشاعت میں دے چکا ہوں اور اگر موصوف حق وصداقت کا عینک لگاکر سنجیدگی کے ساتھ اسی مراسلے کو پڑھ لیتے تو شاید اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔

جناب ابوسلمان قاسمی صاحب! میں نے اپنے مقالے میں صرف تین باتوں پر زور دیا تھا اور آج بھی میں اسی پر اٹل ہوں وہ تین باتیں یہ ہیں۔اگر کچھ بن سکے تو اس کا جواب دیجئے۔

۱۔ جناب الحاج سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں۔مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نہیں۔

---

[1] قومی آواز ۲۱ر جنوری ۱۹۹۶ء کالم مراسلات

۲۔ حاجی عابد حسین صاحب مولود و نیاز و فاتحہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور ہر ہفتہ اس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

۳۔ اس عقیدہ کی روشنی میں گویا حاجی صاحب کا نظریہ اُس زمانے میں وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانے میں دیگر علمائے اہل سنت و جماعت بطور خاص امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور متبعین ہیں۔

آپ نے جو یہ لکھا ہے "بقول صاحب مضمون حاجی عابد حسین نے دارالعلوم کی بنا رکھی اور وہ مسلک احمد رضا کے پیروکار تھے" یہ آپ کی افتراپردازی اور کذب بیانی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور یہ علمی و تحقیقی دیانت کے خلاف ہے ایسی کوئی عبارت میرے مقالے میں نہیں ہے۔

اور جو آپ نے میری حقیر کاوش معلم العربیہ کے بارے میں گفتگو کر کے اصل موضوع سے راہ فرار اختیار کرنے کی ناکام کوشش کی ہے تو اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ کتاب کی پہلی اشاعت ہے اور ہر پہلی اشاعت میں خامیاں رہ جاتی ہیں جن کی اصلاح اشاعت ثانی میں کر دی جاتی ہے اگر آپ نے کوئی کتاب لکھی ہوگی تو اس کا آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا۔ اس کتاب کے تعلق سے حلقۂ دیوبندیت کی مشہور شخصیت جناب اسحٰق سنبھلی صاحب کے تبصرہ کا صرف ایک جملہ نقل کر دینا چاہتا ہوں جو نیا دور لکھنؤ جنوری ۱۹۹۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

"ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف طب کے طلبہ اور طالبات پر احسان کیا ہے بلکہ فن طب کی بھی خدمت انجام دی ہے۔"

اور اپنے مراسلے میں جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ مجھے شہرت و ناموری کا مالیخولیا ہو گیا ہے تو شاید آپ کا اس بات پر ایمان نہیں کہ عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کا تعلق قومی آواز سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے ہے کے لے

ـــــــــــــ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد

۱۱ر جنوری ۱۹۹۰ء کے قومی آواز دہلی کے شمارے میں راقم نے مولانا اخلاق حسین قاسمی اور مولانا عبدالحمید نعمانی کے اعتراضات کا مشترکہ جواب دے کر ان حضرات کی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کیا تھا اور میرے اس جواب سے مولانا اخلاق حسین کسی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ اس لئے انھوں نے میرے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ جناب عبدالحمید نعمانی میدان سے نہیں ہٹے اور 'من چہ می گویم اور طنبور من چہ می سراید' پر پوری طرح عمل پیرا رہے۔ میرا تحقیقی مقالہ دیوبند کے اصل بانی اور ان کے مذہبی عقائد سے متعلق تھا۔ اور وہ اپنی بحث میں نہ جانے کیا کیا مسئلہ چھیڑ کر ایک بار پھر میدان مناظرہ کو گرم کرنے کی دعوت دیتے رہے حالانکہ آج وہ دور نہیں کہ مناظرہ کی محفلیں آراستہ کی جائیں اور مناظرہ سے پہلے ہی کامیابی، اور فتح عظیم کے قدآدم پوسٹر دیواروں پر آویزاں کر دیئے جائیں۔ اس زمانہ میں سنجیدگی کے ساتھ علمی بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اپنے مقالہ میں میں نے جن چند باتوں کی طرف خفیف سا اشارہ کیا تھا اسی دائرہ میں رہ کر نعمانی صاحب کو اپنا موقف ثابت کرنا چاہئے تھا مگر نہ جانے اپنے خط میں وہ کن کن باتوں کو چھیڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے حالانکہ جدھر بھی وہ بھاگتے ادھر ہی انھیں اپنا راستہ مسدود نظر آتا تھا۔ عبدالحمید نعمانی صاحب قومی آواز میں دوسرے سنی دیوبندی اختلافات کے تعلق سے مسائل چھیڑ کر بانی دار العلوم کی بحث کو نہ جانے کس ڈگر پر لے جانا چاہتے تھے۔ اپنے ایک تفصیلی خط میں کون سی ایسی اختلافی بحث

لے قومی آواز ۲۹ر جنوری ۱۹۹۰ء کالم مراسلات

تھی جس کا انھوں نے ذکر نہ کیا ہو ۲۳ جنوری مراسلات کا کالم صرف جناب عبدالحمید نعمانی کی تحریروں سے سیاہ رہا۔ ان کا یہ خط "دیوبند کا بانی و مسلک" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ وہ خط بلفظہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

دیوبند کا بانی و مسلک

۱۷ جنوری کے قومی آواز میں، جناب ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد دہلی کا مراسلہ شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے راقم الحروف اور مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کے مراسلے پر تنقید کی ہے۔ لیکن مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکے اور نہ ہی اپنے مراسلے میں۔

ہمارا اعتراض وسوال، اعتقاد اور دوسرے نمبر پر بدعات سے متعلق تھا، اور مثال میں، راقم الحروف نے اپنے ماسوا کی تکفیر (کافر قرار دینا) اور قبر پر اذان کو پیش کیا تھا۔ جناب غلام یحییٰ صاحب نے اصل سوال کو گول کر کے بات کو نیاز و فاتحہ اور مولود تک محدود کر دیا ہے۔ نفس ذکر ولادت کو علمائے دیوبند میں سے کسی نے بھی بدعت یا ناجائز قرار نہیں دیا ہے، راقم الحروف نے طالب علمانہ انداز میں اکابر دیوبند کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے، ہمیں کسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی کہ نفس ذکر ولادت ناجائز یا بدعت ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں نفس ذکر ولادت اور ایصال ثواب کو مستحسن اور جائز قرار دیا ہے۔ براہین قاطعہ میں بھی مباح اور جائز بتایا ہے۔ جناب انجم صاحب نے اپنے پیش روؤں اور "بزرگوں" کی طرح سیاق وسباق سے ہٹا کر بات کہی ہے، تاکہ عوام اکابر دین سے بدظن ہوجائیں۔ لیکن اب وہ زمانہ لد چکا ہے۔ اب لوگ پڑھ لکھ رہے ہیں۔ میں اہل علم وشوق کو دعوت دوں گا کہ وہ مراسلہ نگار کی محولہ کتاب فتاویٰ رشیدیہ اور براہین قاطعہ مطالعہ فرما کر

اصل بات معلوم فرمائیں۔

البتہ مروجہ مجلس میلاد نذر و نیاز کو بہت سے فکری مفاسد کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کوئی غلط نہیں ہے۔ غلط سلط اور موضوع روایات کا پڑھنا اور یہ خیال کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوتی ہے، قیام کرنا، وقت اور دن کے تعین کے ساتھ مجالس میلاد کا انعقاد، کا شرعاً ثبوت نہیں ہے مستند فقہاء علماء نے انہیں ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ مولود سے متعلق بیشتر کتابیں غیر مستند اور بہت سی بے اصل اور من گھڑت روایات پر مشتمل ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

دکھاتا ہے کیا مرتبہ قرب کا   کہ زانو سے زانو ملاتا ہے آج
خدا رخ سے پردہ اٹھاتا ہے آج   محمد کو جلوہ دکھاتا ہے آج

یہ فقہی اصول ہے کہ اگر کسی مباح چیز میں مفاسد شامل ہو جائے یا اسے ضروری، واجب یا شعار (پہچان) بنا لیا جائے تو وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت گنگوہی نے مروجہ مجالس میلاد کو ناجائز قرار دیا ہے، یہ اصول مولانا احمد رضا، مولانا امجد علی اور دیگر بریلوی علماء نے بھی تحریر کیا ہے (دیکھئے احکام شریعت حصہ دوم از مولانا احمد رضا ص۵۷، بہار شریعت حصہ سوم ص۱۰۱،۱۰۰)

لیکن میلاد کے معاملہ میں مذکورہ اصول کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ شاید غلام یحییٰ انجم کو یہ فقہی قاعدہ معلوم نہیں ہے، اور یہ ہر پی، ایچ۔ڈی کے لئے معلوم ہونا ضروری بھی نہیں ہے اور اگر معلوم ہے تو تجاہل عارفانہ (جان کر انجان بننا) سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت سید عابد حسین جو ہر ہفتے مجلس میلاد کرتے تھے اس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفاسد و منکرات سے پاک ہوگی، ایسی صورت میں علمائے دیوبند، ذکر ولادت کو جائز اور باعث خیر و برکت قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے براہین قاطعہ ص۱۴۴ تا ۲۵۶، عقائد علمائے دیوبند ص۵۸ تا ص۶۴ عربی مع اردو مطبوعہ صدیقی

کتاب گھر دیوبند ۱۹۸۸ء ازمولانا خلیل احمد انبیٹھوی، امداد الفتاوی جلد ۵ ص۳ ، اصلاح الرسوم ص۸ ازمولانا اشرف علی تھانوی۔

مراسلہ نگار نے سوال کیا ہے کہ کیا مولود شریف کو کنہیا کے جنم کی طرح نہیں بتایا ہے؟ جی نہیں! مولود شریف اور ذکر ولادت پاک کو کنہیا کی جنم قرار نہیں دیا ہے، بلکہ سوانگ رچانے اور کرشن اشٹمی کی بھونڈی نقل کو غلط تشابہ کے سبب ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محتاط علماء نے بھی تحریر کیا ہے۔

مروجہ مجالس میلاد کا تعلق عقیدے سے نہیں، ان کا تعلق عملی رویے سے ہے۔ اس سلسلہ میں......... دوسرے اہل علم سے اختلاف کرسکتا ہے ایک دوسرے.........کو دلیل وتحقیق کی بنا پر غلط بھی کہہ سکتا ہے اس سے اختلاف میں شدت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اختلاف، مخالفت اور شدت میں اس وقت بدل جاتا ہے، جب اپنے مخالف کو کافر قرار دے دیا جائے جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے خلفاء ومتبعین نے کیا، اور یہیں سے بریلوی، دیوبندی اختلافات میں شدت وجارحیت پیدا ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے رسالہ ہفت مسئلہ اور وحدت الوجود کا حوالہ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ حضرت حاجی صاحب نے بات کو علمی بحث تک محدود رکھا ہے، تکفیر تک بات نہیں پہنچائی ہے۔ اور انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اختلافات کو خلوص وللہیت اور کتاب وسنت کی روشنی میں تحقیق پر مبنی قرار دیا ہے اور متعلقین کو ان دونوں کی طرف رجوع کی تلقین وترغیب دی ہے (دیکھئے حضرت حاجی صاحبؒ کا فارسی رسالہ ضیاء القلوب ص۲ مطبوعہ مجتبائی اور مکاتیب رشیدیہ ومکتوبات (اکابر وغیرہ) رہی نذر ونیاز کی بات تو اس کے حرام وناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب دُرِّ مختار باب الاعتکاف میں لکھا ہے کہ مُردوں کے نام جو نذر

مانی جاتی ہے اور اولیاء کرام کی قبروں پر، روپے پیسے، شمع، تیل وغیرہ ان کے تقرب کی خاطر، جو لائے جاتے ہیں وہ متفقہ طور پر باطل اور حرام ہے

واعلم أن النذر الذی یقع وللأموات من أکثر العوام ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقربا إلیھم فھو بالإجماع باطل وحرام، یہی بات مجدد الف ثانی "مکتوبات امام ربانی دفتر سوم فارسی مکتوب نمبر ۱۴۱) اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ارشاد الطالبین ص۱۸ فارسی اور صاحبان فتاوی عالمگیری (جلد اول ص۲۹۸) نے بھی کہی ہے۔

مسلک دیوبند، اصلاً کتاب وسنت، فقہ وتصوف پر مبنی، مسلک اعتدال کا نام ہے، یہ کوئی نیا مسلک نہیں ہے۔ مروجہ مجالس میلاد اور نذر و نیاز کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک، دور صحابہ کرامؓ، زمانہ تابعین اور کئی صدی بعد تک کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اگر ہے تو غلام یحییٰ انجم صاحب پیش فرمائیں، اس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ نیا مسلک کون سا ہے مسلک اعلیٰ حضرت ہے، یا مسلک دیوبند؟ ۔ ؎

عبد الحمید نعمانی

ناظم شعبۂ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند

ا ربہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

جناب عبد الحمید نعمانی صاحب نے اپنے اس مراسلہ میں اصل موضوع سے ہٹ کر جہاں اور بہت سارے سوالات قائم کئے تھے وہیں انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی طلب کی تھی کہ مسلک دیوبند نیا مسلک ہے یا مسلک اعلیٰ حضرت؟ ۔ مسلک دیوبند نیا مسلک ہے کہ پرانا اس موضوع پر تفصیلی

؎ قومی آواز دہلی ۲۳ر جنوری ۱۹۹۶ء کالم مراسلات

معلومات کے لئے کتاب کی آخری بحث کا مطالعہ انتہائی سود مند ثابت ہوگا۔ جو "مسلک دیوبند کیا ہے" کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔
یہاں مسلک اہلسنت جسے عرف عام میں مسلک اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے اس کے متعلق تھوڑی بحث ذیل میں دی جا رہی ہے۔
مسلک اعلیٰ حضرت کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ یہ وہی مسلک اعتدال ہے جس پر صحابہ و تابعین، بزرگانِ دین اور دیگر سلف صالحین عمل پیرا تھے مگر جب اہلسنت کے علاوہ غیر لوگوں نے اپنے اپنے مسلک کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا شروع کر دیا تو ان لوگوں کے مسلک سے امتیاز کے لئے مسلک اہلسنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کہا جانے لگا۔ اور یہ نسبت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کیطرف اسلئے کی گئی کہ انھوں نے ہی اپنی خداداد صلاحیتوں اور قلم حق رقم سے مسلک اہلسنت کی محاسن کو اجاگر کیا اور دشمنان حق کی طرف سے لگائے گئے الزامات کا دندان شکن جواب دیا۔ اس لئے مسلک حق کی شناخت اور پہچان اس دور میں اگر مسلک اعلیٰ حضرت کو ہی مانا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس حقیقت کے آشکار ہونے کے باوجود بھی جو امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا کے مخالف و معاند ہیں وہ اپنے متبعین اور پیروکاروں کو اس لفظ کے استعمال سے روکتے ہیں ذیل میں ایک فتویٰ اس تعلق سے نقل کیا جا رہا ہے جس کے لکھنے والے فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، بانی مرکز تربیت افتاء دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج ضلع بستی یوپی ہیں۔ سائل کا سوال اور مفتی صاحب کا جواب بعینہٖ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

سوال: ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب اور ایک پیر صاحب آتے ہیں جو سنی ہیں مگر وہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلک اہل سنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے مسلک اعلیٰ حضرت

کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تو ایسے لوگوں کو کیا جواب دیا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

المستفتی: محمد سرمد پاشا قادری
ہاسپیٹ ضلع بلاڑی کرناٹک

الجواب:۔ جو لوگ سنی ہونے کے باوجود مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حسد میں مبتلا ہیں اور حسد حرام وگناہ کبیرہ ہے حدیث شریف میں ہے وہ حسد کرنے والے کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلاتا ہے۔ (ابو داؤد شریف ج ۲، ص ۳۱۶)

یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے اس لئے کہ دیوبندی اور مودودی بھی مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کے دعویدار ہیں تو دیوبندی مسلک اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے موجودہ زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت بولنا ضروری ہے یعنی مسلک اعلیٰ حضرت دیوبندی اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے بولا جاتا ہے اگر کوئی اپنے کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کا ماننے والا بتائے اور یہ نہ کہے کہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند ہوں تو ظاہر نہیں ہوگا کہ وہ سنی ہے یا بدمذہب۔ لہٰذا مذہب حق اہلسنت وجماعت سے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اس زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت سے ہونے کو بتانا ضروری ہوگیا ہے اس پر اعتراض کرنے والے کو خدائے تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے (آمین)

مفتی صاحب کا یہ فتویٰ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوکر تقسیم ہوچکا ہے جس کے مثبت نتائج بھی سامنے آئے ہیں عبدالحمید نعمانی صاحب نے سُنّی دیوبندی اختلاف کے تعلق سے جن مسائل کو چھیڑا ہے یہ تقریباً سب وہی مسائل تھے جن پر کئی بار میدان مناظرہ سنوارا جاچکا ہے اور کتب مناظرہ میں ڈھیر سارا لٹریچر موجود ہے میں ان کے اس طویل مراسلہ کے جواب کا

نوک پلک درست ہی کر رہا تھا کہ مولانا قیس اختر مصباحی بانی دارالقلم دہلی کا طویل مراسلہ عبدالحمید نعمانی کے طویل مراسلہ کے تردیدی جواب اور میرے موقف کی حمایت میں " دارالعلوم کا بانی کون ؟" کے عنوان سے ۵ / فروری ۱۹۹۸ء کو شائع ہوا۔ دارالعلوم دیو بند کے تضیہ کے تعلق سے کسی سنی عالم کا یہ پہلا اور آخری مراسلہ تھا جو میرے موقف کی حمایت اور تائید میں شائع ہوا تھا۔ مصباحی صاحب کا مراسلہ جو مولانا عبدالحمید نعمانی کے مراسلہ کا بھرپور جواب ہے ذیل میں درج کیا جارہا ہے :

دارالعلوم کا بانی کون

" روزنامہ قومی آواز دہلی میں مولانا ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم مصباحی ریڈر جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شائع شدہ مضمون " دارالعلوم کا بانی کون ؟" یکم تا ۳ / جنوری ۱۹۹۸ء کے سلسلے میں جو مراسلات شائع ہو رہے ہیں، ان میں قابل ذکر مراسلات مولانا اخلاق حسین قاسمی و مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی ناظم نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند اور نبیرۂ حاجی عابد حسین کے ہیں اور ان تینوں حضرات نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حاجی عابد حسین ہیں۔

البتہ اول الذکر دو حضرات نے ڈاکٹر انجم صاحب کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا ہے کہ میلاد و قیام، عرس و فاتحہ جیسی چیزوں میں حاجی عابد حسین بانی دارالعلوم دیو بند کا وہی مسلک تھا جو اس دور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء و متبعین کا ہے۔ لیکن یہ دونوں حضرات کسی ٹھوس بنیاد پر اپنے اختلاف کی عمارت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ حاجی عابد حسین کے زمانہ میں دیو بندی بریلوی جیسی کسی اصطلاح یا اختلاف کا وجود نہ تھا اور کسی مسئلہ یا مسلک میں متحد الخیال ہونے کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ معمولات اہلسنت

میں حاجی عابد حسین اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک اگر یکساں ہے تو دونوں کو ہم مسلک ہی سمجھا جائے گا، اس کے لئے کسی ملاقات یا ہمعصری وغیرہ کی بات ہی سرے سے فضول ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی نے نذر و نیاز اور مروجہ محافل میلاد کو اپنے مراسلہ (قومی آواز ۲۳؍جنوری) میں ناجائز قرار دیا ہے اور مردوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے نذر و نیاز کے ناجائز ہونے پر در مختار کی عبارت فتاوی ہندیہ و مکتوبات امام ربانی وغیرہ کے نام پیش کئے ہیں سوال یہ ہے کہ اس نذر کو کس بریلوی عالم نے جائز کہا ہے؟ ایسی نذر شرعی تو یقیناً حرام ہے۔ یہاں تو جس نذر و نیاز کو جائز کہا گیا وہ عرفی طور پر بمعنی نذرانہ صدقہ و خیرات، ایصال ثواب ہے جو بزرگوں اور مرحوموں کے لئے کیا جاتا ہے۔ خود فتاویٰ رشیدیہ جلد اول میں ہے۔ اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ از مولانا رشید احمد گنگوہی) اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رسالہ نذور میں فرماتے ہیں " نذرے کہ ایں جا مستعمل می شود بر معنی شرعی نیست۔ چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز می گویند۔ (رسالہ نذور)

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی و مولانا رشید احمد گنگوہی کے بیان کردہ نذر و نیاز بمعنی صدقہ و خیرات کو موجودہ قاسمی حضرات جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز؟ اس کا جواب عنایت فرمائیں!

محافل میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مولانا نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں غلط روایات پڑھی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا تصور ہوتا ہے۔ اس کے اندر فکری و عملی مفاسد ہیں۔

اس لئے یہ ناجائز ہیں۔ لیکن مولانا نعمانی صاحب امام احمد رضا فاضل بریلوی یا ان کے خلفاء و تلامذہ یا کسی مستند بریلوی عالم کی کسی تحریر یا عمل کا کوئی حوالہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور محض مفروضات اور محافل میلاد منعقد کرنے والے جمہور اہل سنت کے ساتھ بدگمانی کی بنیاد پر ایک عمارت کھڑی کردی گئی ہے

رہ گئی یہ بات کہ مروجہ میلاد بدعت ہے۔ تو کیا تبلیغی جماعت کا چلّہ و گشت سنت ہے؟ اور اگر کوئی خرابی محفل میلاد سے کہیں وابستہ ہوگئی تو اس کا ازالہ حکیمانہ طور پر ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ محفل میلاد ہی کو ناجائز قرار دیا جائے

مولانا نعمانی صاحب لکھتے ہیں "حضرت حاجی سید عابد حسین جو ہر ہفتہ مجلس میلاد کرتے تھے اس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفاسد و منکرات سے پاک ہوگی (قومی آواز۔ ۲۳ر جنوری) مفاسد و منکرات سے پاک میلاد شریف کرنے سے علماء دیوبند کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ محفل میلاد منعقد کرکے مسلمانانِ ہند کو کیوں نہیں بتایا جاتا کہ صحیح طریقۂ میلاد یہ ہے؟ اور اس سلسلے میں حاجی سید عابد حسین بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے مسلک سے انحراف کیوں کیا جا رہا ہے؟

بات دراصل یہ ہیکہ خود مورخین حلقۂ دیوبند کا مستند تحریری مواد پیش کرکے مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی نے ایک تاریخی فریب کی برسرعام نقاب کشائی کردی ہے اور اصل حقیقت کو اس انداز سے چھپانیکی پھر کوشش کیجارہی ہے کہ قارئین کا ذہن دوسری باتوں کی طرف متوجہ کر دیا جائے اور نئے نئے مسائل میں انہیں الجھا دیا جائے لیکن انصاف پسند اور باشعور قارئین اب اس تاریخی حقیقت سے واقف ہوچکے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی نہیں بلکہ حاجی سید عابد حسین ہیں اور مسلکی و نظریاتی طور پر حاجی سید عابد حسین اور علمائے دیوبند کے فکر و عمل میں تضاد و اختلاف بھی تھا۔

یٰسین اختر مصباحی، بانی و مہتمم دارالقلم۔ قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵[1]

---

[1] قومی آواز۔ دہلی، ۵، فروری ۱۹۹۶ء

جناب عبدالحمید نعمانی صاحب نے جواب دینے کے لئے بارہا مخاطب کیا تھا اس لئے مسلک کے تعلق سے ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنا میرا لازمی فریضہ تھا چنانچہ ان کے مراسلہ کی تردید میں میں نے ۶ صفحات پر مشتمل دلائل وبراہین سے مربوط جواب لکھا اور وہ طویل خط برائے اشاعت قومی آواز دہلی کو ارسال کر دیا۔ خط چونکہ طویل تھا اور قومی آواز کے مراسلات کا کالم اتنا طویل خط شائع کرنے کا شاید متحمل نہیں اس لئے پورے خط کو شائع نہ کر کے اس کے اول و آخر پیراگراف کو شائع کر دیا اور آخر میں یہ نوٹ بھی لگادی کہ اب اس موضوع پر کوئی مراسلہ یا مضمون برائے اشاعت نہیں قبول کیا جائے گا۔

جناب عبدالحمید نعمانی صاحب کے تردیدی جواب میں قومی آواز دہلی میرا مراسلہ مکمل شائع نہ ہوسکا اسے یہاں نقل کیا جارہا ہے تاکہ قارئین انصاف پسند ارباب دین ودانش پر یہ واضح ہوجائے کہ حق کس طرف ہے۔ اور باطل کے علمبردار کون لوگ ہیں۔

بانی دارالعلوم اور معترضین

۲۳ جنوری قومی آواز کی اشاعت میں جناب عبدالحمید نعمانی صاحب کا مراسلہ میرے مراسلہ کے جواب میں نظر سے گذرا جس میں نعمانی صاحب نے خلط مبحث کے طور پر ڈھیر ساری باتیں لکھ کر مجھے اصل موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ اور شروعات یہاں سے کی ہے کہ مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے ثابت کر سکے اور نہ ہی اپنے مراسلے میں۔ نعمانی صاحب یہ فیصلہ قارئین قومی آواز اچھی طرح کر رہے ہیں کہ کیا صحیح ہے کیا غلط۔ اس تعلق سے آپ کے قول کا اعتبار نہ ہوگا۔ آپ نے بدعت اور تکفیر کے مسئلے کو لے کر جو اصل موضوع سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے وہ بھی قومی آواز کے قارئین پر اچھی طرح

واضح ہے ایک بار پھر میں آپ کو اصل موضوع بحث کی طرف کھینچ کر لارہا ہوں۔ اگر ہوسکے تو اسی دائرہ میں رہ کر ہماری باتوں کا جواب دیں۔ اور یہ بات میں اس لئے لکھ رہا ہوں کیونکہ بریلوی اور دیوبندی اختلافات اتنے ہیں جس کا متحمل قومی آواز کے مراسلہ کا کالم نہیں ہوسکتا اور ویسے بھی اس موضوع پر ڈھیر سارا لٹریچر موجود ہے اور اگر شوق ہی ہے تو اصل موضوع بحث پر پہلے اپنا موقف ثابت کر لیجئے پھر دوسرے موضوعات کو چھیڑیئے۔

نعمانی صاحب ایک بار پھر میں آپ کو یاد دلادوں کہ میں نے اپنی تحریروں میں صرف تین باتوں پر زور دیا تھا اور انہیں باتوں کو میں نے دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کیا ہے:

۱۔ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہیں مولانا قاسم نانوتوی نہیں۔

۲۔ حاجی عابد حسین صاحب مولود اور نیاز و فاتحہ کے قائل تھے اور اس پر عمل پیرا بھی تھے۔

۳۔ اس نقطۂ نظر کے تعلق سے حاجی عابد حسین صاحب کا گویا اُس دور میں عقیدہ وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانے میں علمائے اہلسنت وجماعت بطور خاص امام اہلسنت مولانا احمد رضا قادری کے خلفاء متبعین ہیں۔

نعمانی صاحب آپ کی تحریروں سے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے بحمدہٖ تعالےٰ ہماری پہلی دونوں باتیں مان لی ہیں کیونکہ آپ نے بانی دارالعلوم کے تعلق سے اپنے تنقیدی مراسلے میں کچھ نہیں لکھا۔ "اَلسُّکُوتُ بِالرِّضَا" کے تحت گویا یہ بات طے ہوچکی ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب ہی دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں۔ دوسری بات عقائد و نظریات کے تعلق سے ہے اس کا بھی آپ نے ۲۳؍جنوری کے مراسلے میں اعتراف کرلیا ہے اور یہ جملہ لکھا ہے "حضرت سید عابد حسین صاحب جو ہر ہفتے مجلس میلاد کرتے تھے ۱۳، کے

بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفاسد و منکرات سے پاک ہوگی" اب رہا تیسرا مسئلہ اس تعلق سے کہ حاجی عابد حسین کا وہی نظریہ تھا کہ نہیں جو اس زمانہ میں امام احمد رضا کے خلفاء اور متبعین کا ہے تو وہ بھی انشاء اللہ آپ جلد ہی تسلیم کر لیں گے۔ یہ بات تو آپ تسلیم کر ہی چکے ہیں کہ جس میلاد میں موضوع روایتیں پڑھی جاتی ہیں وہ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی دونوں کے یہاں ناجائز ہیں۔ اب رہی بات اس میلاد مبارک کی جس میں صحیح روایتوں کے ذریعہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور فضائل و محاسن بیان کئے جائیں۔ تو نعمانی صاحب میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ یہ بھی میلاد مبارک آپ کے یہاں جائز نہیں۔ بانی مسلک دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاوی رشیدیہ جلد ۳ صـ۱۱۱ میں لکھا ہے:

"کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس و مولود درست نہیں۔"

کیا اس عبارت میں نفس ذکر میلاد کا انکار نہیں ہے اور آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "نفس ذکر ولادت کو علمائے دیوبند میں سے کسی نے بھی بدعت یا ناجائز نہیں قرار دیا ہے" یہ آپ کا اپنے اکابر پر بہتان نہیں ہے؟ اور آپ کی یہ کذب بیانی نہیں؟ اور آپ نے جو یہ لکھا ہے نفس ذکر ولادت کے عدم جواز کے تعلق سے ہمیں کسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی تو میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے طالب علمانہ نہیں بلکہ عالمانہ بصیرت کے ساتھ اپنے اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کریں انشاء اللہ آپ کو ساری باتیں مل جائیں گی۔ اب آیئے براہین قاطعہ کی عبارت جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت منانے کو کنھیا کی جنم منانے کے مشابہ قرار دیا ہے لگے ہاتھوں ملاحظہ کریجئے۔ "پس ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے سانگ کنھیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں۔ یا مثل روافض کے نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں معاذ اللہ سانگ

آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود حرکت قبیحہ لوم، حرام اور فسق ہے۔ بلکہ یہ لوگ (جو لوگ میلاد مبارک کا اہتمام کرتے ہیں) اس قوم (ہنود اور روافض) سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید نہیں۔ جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں" (براہین قاطعہ ص۱۴۸) براہین قاطعہ وہی کتاب ہے جسے مولانا رشید احمد گنگوہی نے لکھی اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے نام شائع ہوئی۔ مولود شریف کے تعلق سے فتاوی رشیدیہ جلد اول ص۹۵ پر یہ عبارت بھی موجود ہے:

"عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں" فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص۱۲ میں یہ بھی ہے (مولود) ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے" بانی مسلک دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ "کوئی مولود درست نہیں" دوسری جگہ لکھا "اہتمام و تداعی کے سبب درست نہیں" تیسری جگہ لکھا "بسبب اور وجوہ کے جائز نہیں" اور براہین قاطعہ میں جو لکھا وہ آپ کے سامنے ہے۔ نعمانی صاحب! اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حاجی عابد حسین صاحب جو زر کثیر میلاد مبارک کی محفل میں خرچ کرتے تھے وہ "اہتمام و تداعی" کے علاوہ کسی اور چیز پر خرچ کرتے تھے اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز پر خرچ کرتے تو آپ ہمیں بتائیے! نہیں تو مان لیجئے کہ حاجی صاحب اسی میلاد مبارک کا ہر ہفتہ اہتمام کرتے تھے جسے مولانا رشید احمد گنگوہی نے سطور بالا میں ناجائز اور کنھیا کا جنم دن منانے کے مشابہ قرار دیا ہے۔ نعمانی صاحب! ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کس قدر اہتمام کرنا چاہئے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کی زندگی کا مطالعہ کریں مشکوٰۃ شریف جلد ۳ ص۱۳۳ میں ان کے تعلق سے درج ہے کہ "جب انہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ کی حدیث بیان کرنی ہوتی تو پہلے غسل فرماتے خوشبو

لگاتے ، نئے کپڑے پہنتے ،طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے ۔چادر سر مبارک پر رکھتے ۔ان کے لئے مثل عروس ایک تخت بچھایا جاتا اس وقت باھر تشریف لاتے اور نہایت خشوع وخضوع سے اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان فرماتے اگربتی سلگاتے اور اس تخت پر اسی وقت تک بیٹھتے جب تک حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنی ہوتی ، چھٹی صدی ہجری کے مشہور محدث علامہ ابن جوزی نے تو میلاد مبارک کے تعلق سے یہاں تک لکھا ہے ۔ "یہ عمل حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ مصر و یمن و شام تمام بلاد عرب اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں میں جاری وساری ہے وہ میلاد النبی کی محفلیں قائم کرتے اور لوگ جمع ہوتے ہیں اور ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہیں ، خوشیاں مناتے ہیں غسل کرتے ہیں عمدہ عمدہ لباس پہنتے ہیں زیب وزینت اور آرائش کرتے عطر وگلاب چھڑکتے ، سرمہ لگاتے اور ان دنوں میں خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ۔" (بیان میلاد النبی ص۳۴ وتفسیر روح البیان ج ۹ ص۵۶) ۔

نعمانی صاحب! اب آپ بتائیے کیا "اہتمام وتداعی" اس کے علاوہ کسی اور دوسری چیز کا نام ہے اور اگر یہی ہے تو بانی مسلک دیوبند کے نزدیک میلاد شریف کی مبارک محفل ناجائز کیسے ہوگئی ۔ آپ مجھے یہ بھی بتائیں کہ میلاد مبارک کے درج ذیل اجزائے ترکیبی میں سے کون سا ایسا جزء ہے جو کسی سنت کو مٹاتا ہے یا شریعت کے کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ممنوعات کے زمرے میں آتا ہے ۔ محفل میلاد کے اجزاء یہ ہیں :

۱ ۔ اعلان عام ۔ ۲ ۔ فرش وتخت اور شامیانہ وغیرہ ۔ ۳ ۔ روشنی ۔
۴ ۔ بخور وعطریات وگلاب ۔ ۵ ۔ شیرینی ۔ ۶ ۔ مجمع مسلمین ۔ ۷ ۔ ذاکر ومیلاد خواں ۔ ۸ ۔ ذکر الٰہی وذکر رسول ۔ ۹ ۔ قیام وسلام ۔

ان سارے اجزاء میں سے سوائے قیام وسلام کے کوئی جزء ایسا نہیں ہے

جس پر علمائے دیوبند کا جلسۂ سیرت یا جلسۂ وعظ یا جلسۂ تبلیغ یا جلسۂ دستار بندی یا جلسۂ تنظیم و جماعت مشتمل نہ ہو۔ اعلان عام بھی ہے۔ فرش و تخت اور شامیانہ بھی ہے، روشنی بھی ہے، مجمع بھی ہے، واعظ و مقررین بھی ہیں اس لئے ان میں سے کسی جزء کو ناجائز و بدعت ضلالہ کہہ کر اسے حرام قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ علمائے دیوبند خود اپنے ہی جلسوں کے خلاف حرام ہونے کا فتویٰ دیں۔ اب رہ گیا معاملہ قیام و سلام کا تو یہ بھی علمائے دیوبند کے یہاں وجہ حرمت نہیں کیونکہ بدون قیام بھی مولود کو مولانا رشید احمد گنگوہی ناجائز لکھ چکے ہیں (جیسا کہ سطور بالا میں گذر چکا ہے) قیام و سلام کے تعلق سے مولانا رشید احمد گنگوہی کے پیرو مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا عمل نقل کر کے گذر جانا چاہتا ہوں تاکہ قارئین قومی آواز پر واضح ہو جائے اکابر دیوبند کے پیرو مرشد کا کیا عمل رہا ہے۔ "اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں"۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۱۱۱ مطبوعہ لاہور)۔

اب رہی بات نیاز و فاتحہ کی جس پر حاجی عابد حسین صاحب عمل پیرا تھے وہ بھی مسلک دیوبند میں ناجائز و بدعت ضلالہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص۱۱۲ میں ہے "فاتحہ کھانے یا شیرینی پر پڑھنا بدعت ضلالہ ہے۔ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی دوسری جگہ لکھتے ہیں "فاتحہ مروجہ بھی بدعت ہے معہذا مشابہ بفعل ہنود ہے اور تشبہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص۳۹)

نعمانی صاحب! فاتحہ کا مروجہ طریقہ یہی ہے ناکہ علمائے بریلوی کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس کا ثواب انبیاء و مرسلین اور صحابہ و صالحین کی روح پر فتوح کو پہنچاتے ہیں۔ یہی معمول حاجی عابد حسین صاحب کا بھی تھا۔ اب آپ یہ بتلایئے کہ اجزائے

فاتحہ ۱۔ تلاوت قرآن ۲۔ کھانا ۳۔ ایصال ثواب ۴۔ فاتحہ خواں، ہیں سے کون سا ایسا جز ہے جس سے کوئی سنت مٹتی ہے اور وہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ تمام چیزیں خود علمائے دیو بند بھی کرتے ہیں کیا آپ کے یہاں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی کیا آپ کھانا نہیں کھاتے، کیا آپ کے یہاں ایصال ثواب کا عمل نہیں اگر ہے تو یہ چیز ناجائز اور بدعت ضلالہ کیسے ہوگئی اور آپ کے علماء بدعت ضلالہ کے مرتکب کیوں ہو رہے ہیں؟۔

نعمانی صاحب! کھانے کو سامنے رکھ کر قرآن کی تلاوت کرنا ہرگز ناجائز نہیں مشکوٰۃ شریف صـ۵۲۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت درج ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میری والدہ (ام سلیم) نے کھانا بطور تحفہ و ہدیہ پکایا اور میرے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ حضور سے میرا اسلام کہنا اور عرض کرنا کہ اس موقع پر یہی جو کچھ ہے قبول فرمالیں وہ کھانا لے کر میں آپ کے پاس پہنچا اور والدہ کا سلام و پیام عرض کیا آپ نے فرمایا اے انس اسے رکھ دے اور فلاں فلاں کو بلا میں بلاتا گیا یہاں تک کہ تین سو آدمی جمع ہوگئے پھر سرکار نے اس کھانے پر اپنا دست مبارک رکھا اور جو چاہا پڑھا۔ بس پھر کیا تھا وہ کھانا اس قدر بابرکت ہوا کہ لوگ شکم سیر ہوگئے"۔ اس حدیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا سنت رسول کے عین مطابق ہے۔ پھر نعمانی صاحب اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس میں کسی بزرگ کا نام لیا جاتا ہے اس لئے نیاز و فاتحہ ناجائز ہے تو آئیے ہم آپ کو دوسری حدیث سنائیں یہ حدیث ابوداؤد شریف کتاب الزکوٰۃ میں درج ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری ماں مرگئی ہے کونسا صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لئے کروں) فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں

کھدوایا اور کہا "ہذہ لام سعد" یہ سعد کی ماں کے لئے ہے، (یعنی انکی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے بنوایا گیا ہے) اس حدیث سے صراحتًہ ثابت ہوا کہ جس روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ وخیرات کی جائے یا نیاز وفاتحہ دلایا جائے اگر اس صدقہ وخیرات اور نیاز وفاتحہ پر مجازی طور پر اس کا نام لیا جائے اور یوں کہا جائے بڑے پیر کا فاتحہ خواجہ اجمیر کی نیاز اور سیدالشہداء امام حسین کی سبیل تو ہرگز اس کا کھانا پینا حرام نہیں اگر ایصال ثواب کی چیز حرام ہوتی تو ام سعد کے کنواں سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی نہ پیتے۔ نعمانی صاحب صدقہ ہو یا خیرات، نیاز ہو یا فاتحہ سب کا مطلوب ایک ہے اور وہ ہے میت کی روح کو ثواب پہنچانا اسی لئے تمام اکابر علمائے سلف نے نیاز وفاتحہ کو افضل مانا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے زبدۃ النصائح صـ۱۳۲ اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے فتاویٰ عزیزیہ میں واضح لفظوں میں لکھا ہے "وہ کھانا جو حضرت امام حسین کی نیاز کے لئے پکایا جائے اور اس پر قل وفاتحہ درود پڑھا جائے وہ متبرک ہوجاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔ انہیں حقائق ومعارف کی روشنی میں علمائے بریلی میلاد مبارک اور نیاز وفاتحہ کو جائز جانتے اور افضل قرار دیتے ہیں اور یہی معمول بانی دارالعلوم حاجی سید عابد حسین کا بھی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس دور میں حاجی عابد صاحب کا وہی عقیدہ تھا جس کے علمبردار اس زمانے میں امام احمد رضا قادری کے خلفاء اور متبعین ہیں۔

نعمانی صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ مسلک دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے؛ اور آپ کے استاد مولانا انظرشاہ دیوبندیت کی ابتدا مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بتاتے ہیں، تو اس سلسلے میں آپ مجھے بتائیں کہ استاد کی بات مانی جائے یا شاگرد کی، اور اگر دونوں میں تضاد نہ ہوتا تو ہمیں دونوں کی بات تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوتی۔

خدارا کچھ کہنے اور لکھنے سے پہلے اپنے اکابر کی تحریروں کا مطالعہ کر لیا کیجئے:
اگر یہ طویل مراسلہ قومی آواز دہلی میں شائع ہو جاتا تو مسلک اہلسنت (مسلک اعلیٰ حضرت) کی حقانیت کے تعلق سے تو نعمانی صاحب کے شکوک وشبہات دور ہو گئے تھے۔ پھر بھی ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہا جاتا امید کہ میرے اس مراسلے کو نعمانی صاحب حق وصداقت کا عینک لگا کر پڑھیں گے اور پھر سینہ پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دل سے انصاف کریں گے کہ کیا مسلک دیوبند وہی سب کچھ نہیں جس کی بنیاد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی نے چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں رکھی تھی اگر واقعہ کچھ ایسا ہی ہے جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا تو پھر ایسے مسلک پر لعنت بھیجئے اور سچے دل سے بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کیجئے اور پوری ملت اسلامیہ کے مرکز عقیدت روحی فداہ، آقا ومولیٰ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر ڈال کر اس مسلک کی اتباع اور پیروی کیجئے جو صحابہ وتابعین، بزرگان دین اور اسلاف کرام کا مسلک رہا ہے اور ہمارے خیال سے یہی مسلک صراط مستقیم ہے جس کی بنیاد محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور جس پر استقامت کے ساتھ چلنے کی ہر نماز میں دعا کی جاتی ہے " اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا)۔

اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو اور پوری ملت اسلامیہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے تحت اطاعت رسول ہی اطاعت خداوندی ہے اور بقول ڈاکٹر اقبال لاہوری ؎

محمدؐ سے محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

قومی آواز کے مدیر نے میرے حسب مراسلہ کو شائع کرکے ۶/دسمبر ۱۹۹۵ء سے شروع ہونے والی اس بحث کو ۱۲/فروری ۱۹۹۶ء کو ختم کردیا اسے ہم یہاں نقل کرکے اس امید پر یہ بحث ختم کررہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس عرضداشت کو ملت اسلامیہ کے لئے مینارۂ ہدایت بنائے اور بانی دارالعلوم کے تعلق سے جو لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں انھیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

بانی دارالعلوم اور معترضین

۲۳/جنوری قومی آواز کی اشاعت میں جناب عبدالحمید نعمانی صاحب کا مراسلہ میرے مراسلے کے جواب میں نظر سے گذرا جس میں نعمانی صاحب نے ڈھیر ساری باتیں لکھ کر مجھے اصل موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی ہے اور شروعات یہاں سے کی ہے کہ مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے ثابت کرسکے اور نہ اپنے مراسلے میں۔ نعمانی صاحب! یہ فیصلہ قارئین قومی آواز اچھی طرح کررہے ہیں کیا صحیح ہے کیا غلط اس تعلق سے آپ کے قول کا اعتبار نہ ہوگا۔

نعمانی صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ "مسلک دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے" اور آپ کے استاذ مولانا انظر شاہ "دیوبندیت کی ابتدا مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بتاتے ہیں" تو اس سلسلے میں آپ مجھے بتائیں کہ استاد کی بات مانی جائے یا شاگرد کی اور اگر دونوں میں تضاد نہ ہوتا تو ہمیں دونوں کی بات تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوتی۔ خدارا کچھ لکھنے اور لکھنے سے پہلے اپنے اکابرین کی تحریروں کا مطالعہ کرلیا کیجئے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲

نوٹ: اس کے ساتھ ہی اس موضوع پر مزید بحث بند کی جاتی ہے۔ آئندہ اس سلسلہ میں نہ مراسلے اور نہ ہی مضامین شائع کئے جائیں گے قارئین سے بھی گزارش ہیکہ اسطرح کے موضوعات پر مراسلے اور مضامین شائع کرنے کیلئے نہ بھیجیں۔[1]

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۲ فروری ۱۹۹۶ء کالم مراسلات

بانی دارالعلوم دیوبند اور معترفین

میں تو چپ تھا مگر اب موجِ صبا کے ہاتھوں پھیلی جاتی ہے ترے حسن کی خوشبو ہر سو

یہ تو دنیا کا دستور ہے کہ جب بھی کوئی بات مجمع عام میں کہی جاتی ہے تو اس کے سننے والے دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں کچھ تو حق و صداقت کی بنیاد پر اسکی پذیرائی کرتے ہیں اور بعض کسی مصلحت یا ذاتی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر اسکی تردید — کچھ یہی حال ,, دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ،، نامی مقالہ اور حق و صداقت پر مبنی اس کے مندرجات کے ساتھ ہوا۔ چونکہ اس مقالے میں کچھ ایسے حقائق و شواہد ہیں جسے تسلیم کر لینے کے بعد دیوبندیت کی پوری تاریخ مجروح ہو جاتی ہے۔ اس لئے حلقۂ دیوبندیت سے اس مقالہ کی بھرپور تردید ہوئی جس کی تفصیل آپ ,, دارالعلوم دیوبند اور معترضین ،، کی بحث میں پڑھ چکے ہیں۔ اس مقالہ کے تعلق سے علمائے دیوبند سے جو بھی بحث و مباحثہ ہوا وہ سب تحریری شکل میں ہوا۔ قومی آواز دہلی کے صفحات اس کے گواہ ہیں ان تمام مباحث کو اختصار کے ساتھ بلفظہٖ سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے۔ کوئی لاکھ جھٹلائے مگر حقیقت حقیقت ہوتی ہے اس کا اعتراف تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور حقیقت سے جو روگردانی کرے اور کسی مصلحت ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہی اس سے اعراض و چشم پوشی کرے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کے ایمان و عقیدہ میں کھوٹ اور کردار و عمل میں کمی ہے اس لئے کہ یہ مسلمہ اصول ہے۔

دکھتی ہوئی آنکھوں کو برا لگتا ہے سورج
بیمار زبانوں کو برا لگتا ہے پانی

قومی آواز دہلی کے علاوہ یہی مقالہ قومی آواز لکھنؤ، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اور جہانِ رضا لاہور میں بھی شائع ہوا۔ اس طرح اس کا شہرہ پورے برصغیر میں ہو گیا۔ مجلات و رسائل کے ایڈیٹروں کو اس مقالے کی اشاعت پر مبارکباد

اور ستائشی خطوط موصول ہوئے جن میں تقریباً تمام ارباب علم و دانش نے اس بات کا یکساں طور پر اعتراف کیا ہے کہ بانی دارالعلوم کے تعلق سے اس حقیقت سے دبیز چادر ہٹانے کا جو اہم کارنامہ مقالہ نگار نے انجام دیا ہے وہ صرف لائق صد تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ؟ نامی مقالے کی ارباب حق میں جس قدر پذیرائی ہوئی اس کا ذکر مختصراً ہی سہی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ذیل میں کچھ اہم علماء اور دانشوروں کے مطبوعہ خطوط کا اقتباس اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ اہل حق پر یہ واضح ہو جائے کہ معترفین حق سے یہ دنیا خالی نہیں ہے ابھی بہت سے بندگان خدا ایسے ہیں جن میں احقاق حق کا جذبہ اور البطال باطل کی جرأت ہے۔

۱۔ **جناب ارشد اعظمی — اعظم گڈھ**

ایڈیٹر اشرفیہ مبارکپور کے نام اس مقالہ کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں

„ اس شمارے میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا مضمون بڑی کاوش سے لکھا گیا ہے ان کی ہر تحریر بڑی پختہ اور باوزن ہوتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہر مضمون کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کو اپنے ایسے فرزندوں پر ناز کرنا چاہئیے،،

(اشرفیہ مبارکپور ص۳۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۲۔ **سید صابر حسین شاہ بخاری۔ ادارہ فروغ افکار رضا۔ برھان شریف پاکستان**

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے افکار رضا بمبئی کے ایڈیٹر کو اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

„ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اہلسنت کے نامور قلم کار ہیں۔ ان کے مقالات صوری اور معنوی لحاظ سے بے مثال ہوتے ہیں۔ جہان رضا میں ان کا ایک مقالہ „ دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون „ نہایت ہی چونکا دینے والا تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اب افکار رضا کے دسویں شمارہ میں „ امام احمد رضا اور فن تاریخ گوئی،، کے عنوان سے خامہ فرسا ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ یہ بصیرت افروز مقالہ بھی اہل ذوق

کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے ۔"

افکار رضا ، ممبئی صفحہ ۶ ، اپریل جون ۱۹۹۶ء

۳ ۔ جناب پیر سیّد ذوالقرنین صاحب ہاشمی اسلام آباد

ایڈیٹر جہان رضا لاہور کو بانی دارالعلوم دیوبند نامی مقالہ کے بارے میں اپنا اظہار خیال ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

" دیوبند کا اصل بانی کون ؟" ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ، پروفیسر ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے زبردست انکشاف کیا ہے ۔ کم از کم ہمارے لئے پہلی بار حقیقت سامنے آئی ہے کہ علمائے دیوبند کس قسم کی وارداتیں کرتے آئے ہیں ۔ یہ انکشاف پاکستان کے دیوبندی علماء کے لئے بھی حیران کن ہوگا ۔"

(جہان رضا ۔ لاہور صفحہ ۹ ، جون جولائی ۱۹۹۶ء)

۴ ۔ جناب سیّد محمد عبد اللہ صاحب قادری ۔ (واہ کینٹ) پاکستان

اپریل و مئی کے شمارہ میں ایک مقالہ میرا اور ایک میرے استاذ گرامی پروفیسر مختارالدین احمد آرزو ، دائس چانسلر مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی ۔ پٹنہ بہار کا بعنوان " برصغیر کا ایک بے حد ممتاز مصنف الشیخ امام احمد رضا فاضل بریلوی ،، شائع ہوا تھا اس لئے جناب محمد عبد اللہ قادری صاحب نے ان دونوں مقالوں کی ستائش کرتے ہوئے ایڈیٹر جہان رضا لاہور کو لکھا :

" ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (علی گڑھ) اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (دہلی) کے مضامین بہت اچھے ہیں ، معلومات افزا ہیں ۔ انھوں نے بڑی لگن اور محنت سے مضامین لکھے ہیں ، قابل مطالعہ ہیں ۔ انھوں نے اپنے مضامین کے صفحات میں بہت کچھ سمو کے رکھ دیا ہے ۔"

(جہان رضا لاہور صفحہ ، جون جولائی ۱۹۹۶ء)

۵ ۔ جناب خلیل احمد رانا (جہانیاں منڈی) پاکستان

پاکستان کے نامور قلم کار جناب خلیل احمد رانا ، ایڈیٹر جہان رضا لاہور کے نام ارسال

کردہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کا مضمون بھی تحقیقی ہے چند الفاظ فقیر بھی لکھتا ہے زبدۃ العلما حضرت شیخ کریم بخش رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (رام پور منہاران ضلع سہارنپور) کے تین خلیفہ مجاز تھے:

۱۔ حاجی محمد عابد دیوبندی رحمۃ اللہ (چشتی صابری) دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی۔

۲۔ حضرت خواجہ طفیل علی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ حضرت حافظ صابر علی رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری (رام پور منہاران سہارنپور)

حضرت حافظ صابر علی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ علامہ محمد مشتاق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علامہ مشتاق احمد انبیٹھوی چشتی صابری علیہ الرحمہ نے علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ (مصنف سیرت رسول عربی) کو بھی خلافت سے نوازا تھا۔"
(جہانِ رضا لاہور ص۱۲، جون جولائی ۱۹۹۶ء)

۶۔ جناب پیر محمد شہزاد مجددی صاحب ـ ریلوے روڈ لاہور

"دیوبند کا اصل بانی کون؟ راز سربستہ کو منکشف کرنے والی تحریر ہے۔"
(جہان رضا لاہور ص۱۳ جون جولائی ۱۹۹۶ء)

۷۔ مولانا محمد علیم الدین نقشبندی ۔ (دار العلوم سلطانیہ، جہلم پاکستان)

"دار العلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟" خاصے کی چیز ہے۔ مقالہ نگار نے بہت محنت سے بہت سی تاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ دلائل و براہین کی رو سے یہ حقیقت بے غبار کر دی ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دار العلوم دیوبند کا بانی قرار دینا، کہنا اور لکھنا خلاف حقیقت ہے یہ ایسا ہی ہے کہ زید کی پگڑی بکر کے سر باندھ دی جائے۔"

مقالہ نگار کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اس داستان کو دہرایا ہے۔ اہلسنت کی مساجد اور مدارس کے بانی حضرات کیلئے بالخصوص اور عوام اہلسنت کیلئے بالعموم لائق توجہ ہے۔"
(جہان رضا لاہور ص۷، اگست ۱۹۹۶ء)

۸۔ جناب صاحبزادہ محمّد الیاس قادری فاضلی ۔ ملکول، گجرات، پاکستان

" دار العلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید عابد حسین علیہ الرحمۃ کے بارے میں مضمون بے حد پُر اثر ہے۔ قبضہ گروپ سے یہ سب کچھ بعید نہیں ہے اور نہ تھا "
(جہان رضا لاھور ص۱۹ اگست ۱۹۹۰ء)

۹۔ جناب طارق سلطانپوری صاحب ـــ حسن ابدال پاکستان

" جہانِ رضا کے ایک شمارہ میں حاجی سید محمد عابد حسین قادری علیہ الرحمہ کو دار العلوم دیوبند کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہیں قطعہ سال وصال حضرت حاجی سید محمد عابد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔
اس قطعہ کے مندرجات کا ماخذوہ " انکشافاتی مضمون ہے جو ماہنامہ جہانِ رضا لاہور کے مارچ واپریل کے مشترکہ شمارہ میں چھپا ہے اور جو محترمی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے تحریر کرکے ایک شاندار تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے "

جناب طارق سلطانپوری کا قطعہ وصال سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ بحث کی مناسبت سے اس کے صرف ۴ اشعار ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں۔

پیکرِ صدق وصفا وصاحب عرفان وعلم
مردِ حق عابد حسین عالی مقام ونام ور
آج ہے دیوبند کا مشہور جو دار العلوم
اس کا بانی تھا حقیقت میں وہ مردِ حق نگر
داد کا ہے مستحق، تحسین کا حقدار ہے
آشکارا کردی انجم[1] نے حقیقت مستتر
تربت "عابد" پہ گوہر بار ہو تا روزِ حشر
ابر لطف وبارش نورِ خدائے بحر وبر

(جہان رضا لاہور ص۲۴-۲۵ اگست ۱۹۹۰ء)

[1] ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

آخر میں خلاصۂ بحث کے طور پر حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا وہ تحقیقی مضمون شامل کتاب کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو "مسلک دیوبند کیا ہے" کے عنوان سے ماہنامہ البلاغ کراچی ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا تھا تاکہ انصاف پسند قارئین پر یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ مسلک دیوبند کا اصل چہرہ کیا ہے۔ کیا مسلک دیوبند وہی ہے جس کی وضاحت آج کل دارالعلوم کے بعض نام نہاد فضلاء کر رہے ہیں یا وہ ہے جس کی وضاحت اکابر علمائے دیوبند نے کی ہے۔ اپنے اس مقالہ میں استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری نے جس انداز سے مسلک دیوبند کی صراحت کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے انھوں نے اپنے مقالہ میں یہ عندیہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مسلک دیوبند چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے پہلے کسی مسلمہ شخصیت سے اس مسلک کا کوئی تعلق نہیں۔ تعصب کا عینک اتار پھینکئے اور حق و انصاف کا عینک لگا کر ٹھنڈے دل سے اگلے صفحات میں شیخ دارالعلوم دیوبند کی چونکا دینے والی تحریر کا مطالعہ کیجئے۔

مسلکِ دیوبند کیا ہے؟

استاذ دار العلوم دیوبند

کا

سنسنی خیز انکشاف

مسلک دیوبند کیا ہے؟

مولانا سید انظر شاہ کشمیری: استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

حکم ہے ایک عزیز مکرم کا جو غالباً عمر میں کم اور علم وذکا، فہم ودانش میں بمراحل آگے ہیں، کہ اکابر دیوبند پر ان کے موقر مجلہ کے لئے کچھ لکھوں، لیکن سوچتا ہوں کہ اکابر کے تعارف سے پہلے، تو دیوبندیت ہی کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ پتے اور کونپل۔ رگ وریشے۔ شاخیں اور ان کا لمبا سلسلہ سب کچھ جڑ ہی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے، اگر اصل ہی مشخص ومتعین نہیں تو برگ وبار کی تعریف وتعارف، حقیقت کی دریافت کی وافی وکافی راہ نہیں۔ مضمون زیر قلم ہے تو عمر چالیس کے سن وسال سے آگے قدم بڑھا رہی ہے۔ بات اگرچہ اس دور میں بھی وہی ہے، جو کریما کے مصنف نے غالباً مجھ ایسوں ہی کیلئے کہی تھی کہ

چہل سال عمر عزیزت گزشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

تاہم جو کچھ ہوا وہ ہوا اور جو ہونا ہے وہ بھی ہو کر رہے گا۔ اتنا تو بطور تحدیث نعمت عرض کرنے کی ہمت رکھتا ہی ہوں کہ اب رد وقبول کا معیار بحمد اللہ شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہے، یعنی جو کچھ پہنچا اور پہنچے گا، عقل کی کسوٹی اسے خود بھی پرکھ کر دیکھنے کا جذبہ وافر رکھتی ہے، گویا کہ آگہی وشعور معطل نہیں، بلکہ اپنے لگے بندھے کام میں مصروف ہیں، قرآن وحدیث، نبی اور پیغمبر، دین وملت، فقہ وروایت، بلکہ حد تو یہ ہے کہ اپنے اسلاف[1] کے بارہ میں جو کچھ

---

[1] اس کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے جس سے غالباً کچھ سوچنے اور سمجھنے کا جو ڈھنگ اپنایا ہے اس کی کوئی خاص شکل آپ کے سامنے آئے کہ غدر کی معروف جنگ جس میں براہ راست

سنا اور سن رہا ہوں خوب ٹھونک بجا کر، اسے قبول کرنے کی عادت پڑ چکی، یہ کلپتر گوئی بھی، در مدح خود کی کوئی جلی و خفی شکل نہیں بلکہ آنے والے بیانات و حقائق کو قابل قبول بنانے کی ایک معقول تمہید ہے، مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے، محض یہ کہہ کر، تحریر کو ہاتھوں سے نہ رکھ دیں کہ روایات کا ایک طومار اور مرویات کا پلندہ ہے۔ ایسا نہیں بلکہ فراغت کے برائے نام ہی سہی بہر حال سترہ برس کے عرصہ کے بعد جس حد تک واقعات کی دریافت ممکن ہو سکی "جدوجہد" کے اسی حاصل کو سامنے لا رہا ہوں، کہنا یہ ہے کہ جس طرح اسلام، تمام ہی مذاہب میں، مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد میرے سامنے

علمائے وقت بھی شرکت کر رہے تھے۔ اپنے اکابر سے بارہا سنا کہ جس وقت حضرت حافظ ضامن الشہیدؒ شہادت کے ارفع مقام پر فائز ہو گئے تو غالباً سید الطائفہ حضرت الحاج مولانا امداد اللہ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ "بس اب جنگ لڑائی ختم، وہ تو خدا تعالیٰ کو حافظ جی کے شوق شہادت کی تکمیل مقصود تھی جو یہ سارا ہنگامہ کھڑا ہوا وہ ہو چکی اب لڑائی کی بھی کیا ضرورت" پھر انھیں اکابر سے مسلسل یہ بھی سنتا رہا کہ ٹھیک حافظ صاحب کی شہادت کے بعد جگہ جگہ بھڑکتے ہوئے شعلے جنگ اور لڑائی کے اس طرح بجھتے رہے جیسے کوئی پانی ان پر مشکوں سے ڈال رہا ہو۔ روایت تو سن لی مگر دل ہمیشہ اباء و انکار کرتا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدائے حاکم و حکیم کی تکوینیات و تقدیر محض ایک انسان کی خواہش و تمنا کے لئے اگرچہ وہ کتنا ہی مقبول و مکرم ہو، پورے ملک کو جنگ کے شعلوں اور آگ میں جھونک دے؟ لیکن جب قرآن مجید ہی کے مسلسل درس و تفسیر کا موقع ارزانی ہوا تو اُحد کے واقعات میں یہ الفاظ آنکھوں سے دل میں اتر گئے، فرمایا۔ "ویتخذ منکم شھداء" جس کا ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے کہ "کرے بعضے تم میں شہید" آیت سے متعلق روایات میں آرہا ہے کہ بعض وہ فداکار جو بدر کے معرکہ میں شرکت نہ کر سکے تھے اور جنھیں احد کے کارزار میں شوق شہادت اور رگ گلو سے خدا کے نام پر

ایک دین برحق ہے، جس کے ایک ایک جزء پر خدا کا شکر ہے، کہ ایمان مارد کی دولت سے سرفراز ہوں، اسی طرح فقہی مکاتیب میں حنفی طرز کی جامعیت گہرائی و گیرائی پر... دل ودماغ مطمئن ہیں دوسرے مکاتیب کی صحت و درستگی کے یقین کے باوجود حنفی فقیہ کی ترجیح، علم و یقین کے درجہ میں حاصل ہے، بلکہ امام اعظمؒ کے خصوصی تفقہ پر دل اسی درجہ مطمئن ہے، جیساکہ استاذالاساتذہ حضرت سیدنا شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے بارہ میں بتواتر سناکہ جس قول میں امام اعظم کو منفرد پاتے، تا آنکہ ان کے مشہور تلامذہ ابویوسف اور محمد رحمہما اللہ بھی ان کے ہمنوا نہ ہوتے، شیخ الہند علیہ الرحمۃ اس صورت حال پر بجائے پریشان وپشیمان ہونے کے بے حد مطمئن رہتے، فرماتے کہ واقعہ یہی ہے کہ یہ بات اس درجہ دقیق، نازک اور عمیق تھی، جہاں تک سوائے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نکلنے والا بے قرار خون لیکر پہنچا تھا احد میں ناکامی کے لیے چوڑے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی حکیم وعلیم نے بتایا کہ اس طرح بعض سعید روحوں کی تمنائے شہادت کی تکمیل بھی مقصود و مطلوب تھی، پس یہ امت جس کا آخر بھی "خیر" سے خالی نہ ہے اور نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا کیوں ممکن نہیں کہ قدیر و مقتدر ان کی بعض تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے، غدر جیسے ہنگامے کھڑا کر دیئے، شر میں خیر کا جو پہلو رکھدیا گیا جس کو دیکھ کر کہنے والے نے کہا تھا "کہ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" اس پہلو کو سامنے رکھے ہوئے کسی کے لئے خیر کا دروازہ سیکڑوں کے لئے شر بناکر بہرحال کھولا جاسکتا ہے۔ خوب کہا ہے کہنے والے نے۔ ؎

کہ تو چنیں خواہد خدا خواہد چنیں می دہد یزداں مراد منصبی

بہرحال حافظ ضامن صاحب سے متعلق روایت کو قبول کرنے میں کم ازکم مجھے اب کوئی تذبذب نہیں، اولین میں اگر اس طرح کی روایت موجود ہے تو آخرین کیلئے امکان کو بھی نہ ماننا عقل و آگہی کے بے مصرف کاموں سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

کے کسی اور کی نظر پہنچ بھی نہیں سکتی تھی۔" أوكما قال ۔ بلکہ سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ جس مسئلہ کو حضرت مرحوم فقہاء کے مابین قطعاً اتفاقی پاتے، اس پر تشریح و تفصیل کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی یہ ارشاد فرماتے ہوئے گذر جاتے کہ " چلو بھائی یہ بات تو اتنی سامنے کی ہے کہ سب ہی کو نظر آگئی "۔

اس موقعہ پر سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری تغمدہ اللہ لغفرانہ کی وہ آخری تقریر بھی پیش نظر رہنی چاہئے، جو آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اس اجلاس میں الوداعی فرمائی جس کے بعد پھر اس ناسوتی دنیا میں آپ کا قیام معدودے چند ماہ ہی رہا فرمایا کہ:

"ہم نے اپنی عمر کے چالیس سال محض اس مقصد کے لئے صرف کر دیئے کہ دیکھیں فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں، سو ہم اپنی چالیس سالہ محنت کے بعد قطعاً مطمئن ہیں، جہاں جس درجہ کی حدیث خصم کے پاس ہے اسی درجہ کی حدیث احناف کے پاس بھی ہے اور جہاں حدیث نہ ہونے کی بنا پر امام ابوحنیفہ نے مسئلہ کی بنیاد قیاس پر رکھی وہاں دوسروں کے پاس بھی کوئی حدیث موجود نہیں۔"

یہ تفحص و تلاش نہ میرے لئے ممکن اور نہ بحالت موجودہ متوقع، تاہم اکابر کو جو کچھ یقین کد و کاوش پر میسر آیا کچھ بھی ہو اس ظلوم و جہول کو وہ دولت الحمدللہ بہرحال حاصل ہے۔

اسی طرح ہندوستان اور بیرون ہند میں جس قدر نظریاتی اعتبار سے مکاتیب فکر و نظر پھیلے ہوئے ملتے یا ملتے رہیں گے ان سب میں، دیوبندیت کی اصابت اور مکمل حدیث و قرآن یا سنت و دین سے اس کی موافقت پر شرح صدر کی دولت مجھے میسر ہے۔ ہر تعصب سے بالاتر ہو کر جس قدر میں نے غور کیا یا فکر و نظر کی جتنی راہیں مجھ پر کھل سکیں، دیوبندیت کو اسی دین کی ایک مکمل تصویر میں نے پائی جو مکہ اور مدینہ زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً سے، اپنی

ابتدائی اور انتہائی، بلکہ ارتقائی شکل میں چلا آتا ہے ایک مختصر جواب۔ تمہید میں اٹھاتے ہوئے اس سوال کا کہ آخر دیوبند، یا دیوبندیت ہے کیا چیز، ذرا تفصیل اس کی اور ہو جانی چاہئے تاکہ دیوبندیت اپنے تمام زوایا و گوشوں خصوصیات اور ممیزات کے ساتھ دوسرے تمام مکاتیب فکر میں ممتاز ہو جائے۔

میرا خیال یہ ہے کہ "ماانا علیہ واصحابی"، جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے، اسی سوال کے جواب میں تراوش ہوا تھا کہ نجات پھر کس فرقہ کی ہوگی؟ یہی دیوبندیت کی مختصر اور مفصل، جوجز اور مبسوط تعریف وتعارف ہے۔ پس میرے نزدیک، دیوبندیت خالص ولی اللّٰہی فکر بھی نہیں، اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت ومتاع۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے، علم کامل، اور شعور بالغ کے ساتھ، قدرت نے ان کو ایک ایسی چھلنی بھی عطا کی تھی جس سے وہ افکار ونظریات کو چھان کر ہی قبول کر سکیں، مجھے اس حقیقت کے داشگاف کرنے میں کوئی تامل وتذبذب نہیں ہو تاکہ ہندوستان کی سیاسی ومذہبی پامالی کے دور میں، دین کو اپنی شکل میں باقی رکھنے کے لئے، دیوبند کا وجود قدرت کا ایک عظیم عطیہ ہے۔ اور جن اکابر کو فکر ونظر کی تراش وخراش کے لئے خدا تعالیٰ نے کھڑا کر دیا، وہ عظیم انسانی، صدیوں کی الٹ پھیر میں وجود پذیر ہوتے ہیں، اس لئے یہ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے، مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں[1]۔

---

[1] چند سال گذرتے ہیں دارالعلوم دیوبند کے آفاقی کتب خانہ میں ایک باخبر مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر، اچانک مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ دیوبندیت کیا ہے؟ اسی

اس میں شک نہیں کہ ہماری حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب پر منتہی ہوتا ہے۔ اور آج ہند و پاک میں حدیث و قرآن کے جو زمزمے سنے جاتے ہیں ان میں خانوادہ ولی اللّٰہی کا براہ راست دخل ہے۔ اس لئے اُن کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں ہو سکتا[1]۔ تاہم کم از کم مجھے تو شاہ صاحب اور دیوبند میں فرق، نمایاں اور واضح نظر آتا ہے جس کے بعد، دیوبندیت کو ولی اللّٰہی فکر کا ایک سرچشمہ قرار دینے میں مجھے تامل ہے، بلکہ میرے اپنے مطالعہ کا حاصل تو یہ ہے کہ دیوبندی فکر سے بہت کچھ حضرت رئیس المحدثین شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ قریب ہیں۔ فقہ حنفی کی برتری کا یقین اور اس کی اشاعت جو دیوبند کے متعارف اجزائے ترکیبی میں ایک عنصر غالب ہے جس قوت کے ساتھ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، ان کے والد ماجد قدس سرہ العزیز

کے جواب میں جب میں نے اپنی مذکورہ بالا دریافت ذرا تفصیل سے بیان کی تو سننے کے بعد وہ بولے کہ " مولوی صاحب، اس حقیقت پر تو اکثر دیوبندی بھی مطلع نہیں، اور کھینچ تان کر خود کو ولی اللّٰہی فکر سے جوڑ رہے ہیں، حالانکہ دیوبندیت کے امام تو صرف یہی دو امام وقت ہیں۔"

[1] یہاں اپنے ایک پرانے خیال اور پھر اس میں تجربہ و آگاہی کے بعد تبدیلی کا ذکر بھی مناسب ہے۔ ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا ہے کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہئے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے انھیں تو جانے دیجئے۔ ان کے صاحبزادہ شیخ نور الحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی، اس خانوادہ کی خدمات علمائے ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرانے میں شیخ عبد الحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔ مگر پھر

کے یہاں اس کا نام ونشان بھی نہیں ہے اگر ہے بھی تو نہایت گول مول ، دبا دبایا اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جو شاہ صاحب مرحوم سے کم از کم فقہ میں دیوبند کو دور لیجا کر کھڑا کرتا ہے۔" وَالْقِصَّةُ بطولها" اس لئے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ دیوبندیت

یہ رائے بھی بدل گئی، اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیتہً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری یہ بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا انورشاہ کشمیری مرحوم فرما تے تھے کہ "شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت وسنت کا فرق واضح نہیں ہوسکا ۔ بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنھیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے"۔

لے میری ان تصریحات سے یہ سمجھنا کہ امام الدہلوی کی عقیدت میں یہ حقیر کسی سے کم ہے مجھ پر ایک ظلم ہوگا۔ کیا عرض کروں اپنی موجودہ حالت کو اسی امام وقت کا ایک روحانی فیض وتصرف باور کرتا ہوں جس زمانہ میں یعنی ۱۹۴۳ء میں ہندوپاک کے دو ابھرے ہوئے خطوط سے پہلے دہلی میں پنجاب یونیورسٹی سے متعدد اردو و فارسی امتحان دینے کے بعد براہ راست انگریزی میں پڑھ چکا تھا اور جن حالات میں اگر موت آجاتی تو غالباً "موت جاہلیہ" ہی ہوتی۔ ہر جمعہ کو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا اور سیدنا الامام الدہلوی کے پرانوار مزارات پر برابر حاضری ہوتی اور جو دعائیں ہوتیں ان کی تفصیل کئے بغیر موجودہ مشغلے انھیں بزرگوں کے روحانی تصرف تسلیم کرتا ہوں دوسروں سے منوانے کی کوئی جد وجہد پیش نظر بھی نہیں، اب بھی دہلی کا کوئی سفر غالباً الامام کے مزار پر حاضری کے بغیر نہیں ہوتا اور بارہ سال سے تین بار ایصال ثواب کا الحمدللہ معمول ہے۔ تاہم جو بات کہہ رہا ہوں وہ ایک نہ ایک دن کہی جائے گی پس اعتراضات ونکتہ چینی اور "لومۃ لائم" کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر میں ہی کیوں نہ اعتراض کروں"۔

کے واقعی امام وہی دو بزرگ ہیں جن کا نام آپ مجھ سے سن چکے، الحاج صوفی روشن ضمیر، مولانا عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ دارالعلوم کے ابتدائی بانی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ قطعاً خالی تھا، ایک عظیم درسگاہ جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیتہً حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، نیز ابتدائی آویزشیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں، جن کی محتاط تعبیر شکر رنجی، یا مشاجرات ہی سے ہو سکتی ہے، میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں کہ عمارت کے مختصر یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا، جیساکہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سنتا رہا، مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویزش خالص "نظریاتی جنگ تھی میں تفصیلات میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا اس لئے کہ وہ ایک دلخراش تاریخ کا باب ہے لیکن اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر، اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا، وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا جس کا آج تعارف اور شہرت، عالم اسلامی سے گذر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے لے اس لئے تسلیم کرنا ہوگا کہ موجودہ عمارت کے بانی ہونے کے ساتھ فکر اور تخیل کے امام بلا ریب حضرت مولانا قاسم صاحب علیہ الرحمۃ ہیں، جن کی پوری جد وجہد میں حضرت گنگوہی ثانی اثنین کی حیثیت سے ہر مرحلہ پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

لے سمجھنے کے لئے صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد جہاں سے دارالعلوم کی ابتدا ہوئی ہے۔ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی نشستگاہ بھی مقدس عمارت ہے۔ اس مسجد میں رمضان المبارک کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار میں جاری ہے، میں نے کیا لکھا بس اسی اجمال میں نکتہ سنج اسی ساری تفصیلات پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو بچا لیا۔

مآخذ

مخطوطہ

اسلامی علوم میں حاجی امداداللہ کی خدمات و اثرات — ڈاکٹر بصیر احمد خاں

مطبوعات

ارواح ثلٰثہ	ظہور الحسن کسولوی	سہارنپور ۱۳۷۰ھ
اطیب البیان	سید نعیم الدین مرادآبادی	شرکت نعیمیہ دہلی ۱۹۹۸ء
اقبال کے حضور	نذیر نیازی	اقبال اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء
انوار قاسمی	انوار الحسن شیرکوٹی	لاہور
تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب علی رضوی	دہلی ۱۹۷۷ء
تاریخ دیوبند	سید محبوب علی رضوی	علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء
تاریخ سہارنپور	منشی نند کشور	مطبع مرلی دھر ۱۸۶۸ء
تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری	کراچی ۱۹۸۶ء
تذکرۃ العابدین	نذیر احمد دیوبندی	دہلی ۱۳۳۳ھ
تعبیر الرویا (خواب نامہ)	حضرت ابن سیرین	لکھنؤ ۱۹۲۸ء
جغرافیہ ضلع سہارنپور	فصیح الدین	مطبوعہ ۱۸۶۸ء
حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم	محمد یعقوب علی	بہاولپور ۱۲۹۶ھ
دائرۃ المعارف الاسلامیہ	دانش گاہ پنجاب	لاہور ۱۹۶۲ء
دہلی اور اس کے اطراف	حکیم سید عبدالحئی	دہلی
روداد دارالعلوم دیوبند (مجلس منتظمہ)		مطبوعہ ۱۲۸۳ھ
سوانح قاسمی	مناظر احسن گیلانی	دیوبند ۱۳۷۳ھ
صابری سلسلہ	وحید احمد مسعود	بدایوں ۱۹۶۱ء
فیضان امام ربانی	عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری	لاہور ۱۹۸۹ء